وَاَنزَلنَا اِلَيكَ الذِّكرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيهِم

سہ ماہی

البیان

کراچی

سلسلہ نمبر 4 جون تا اگست 2012ء رجب تا رمضان 1433ھ

زکوۃ
فرضیت، مصارف اور مسائل

رمضان المبارک
احکام و مسائل

بچوں کی تربیت کا طریقہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ولادت سے بلوغت تک

شوال
کے روزوں کی فضیلت و احکام

عورت
اعتکاف کہاں کرے

مَجلس البَحث العلمي

AL-MADINA ISLAMIC RESEARCH CENTER

www.islamfort.com



وَاَنزَلنَا اِلَیکَ الذِّکرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیہِم

سہ ماہی البیان کراچی

سلسلہ نمبر 4 جون تا اگست 2012ء، رجب تا رمضان 1433ھ

زر تعاون سالانہ: 160 روپے
فی شمارہ: 40 روپے

بیرون ملک
زر سالانہ 12 ڈالر
فی شمارہ 3 ڈالر
(علاوہ ڈاک خرچ)

Bank Al-Habib A/C NO :
1103-0081-002746-01-2

فہرست مضامین

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر
AL-Madinah Islamic Research Center
مسجد سعد بن ابی وقاص ڈیفنس فیز 4، 11 کمرشل اسٹریٹ
نزد شار شہید پارک وگذری پولیس اسٹیشن کراچی

Ph:+92-21-35896959
Mob+923322135693
WEBSITE:
WWW.ISLAMFORT.COM
E-MAIL:
khalidgoraya1@hotmail.com
info@islamfort.com

اداریہ

پر فتن دور میں ایک مسلم کے شب وروز

خالد حسین گورایہ

بدامنی اپنے عروج پر ہے۔ ہر طرف افراتفری کا بالکل وہی عالم ہے جس کی تصویر قرآن کریم نے ایام جاہلیت کی طرف اشارہ کرکے کھینچی اور فرمایا: {أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ}[1]

ترجمہ: کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو باامن بنادیا ہے حالانکہ ان کے ارد گرد سے لوگ اچک لئے جاتے ہیں

حرم محفوظ ہے لیکن اس کے ارد گرد لوگ اچک لئے جارہے ہیں۔ انسان کو نہ اپنی جان کی امان ہے نہ دین کی، نہ عزت وآبرو کی اور نہ ہی مال و عقل کی۔ ان تمام امور میں ایک مسلم اور مومن کے نزدیک سب سے قیمتی چیز اس کا دین ہے۔ قرآن کریم اور احادیثِ رسول ﷺ کی تعلیمات ہمیں یہ سکھاتی ہیں کہ سب کچھ لٹ جائے لیکن دین نہیں لٹنا چاہئے۔

چنانچہ فرمان نبوی ﷺ ہے: لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ شَيْئًا وَإِنْ قُتِلْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَعُقَّنَّ وَالِدَيْكَ وَإِنْ أَمَرَاكَ أَنْ تَخْرُجَ مِنْ أَهْلِكَ وَمَالِكَ وَلَا تَتْرُكَنَّ صَلَاةً مَكْتُوبَةً مُتَعَمِّدًا فَإِنَّ مَنْ تَرَكَ صَلَاةً مَكْتُوبَةً مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللَّهِ وَلَا تَشْرَبَنَّ خَمْرًا فَإِنَّهُ رَأْسُ كُلِّ فَاحِشَةٍ وَإِيَّاكَ وَالْمَعْصِيَةَ فَإِنَّ بِالْمَعْصِيَةِ حَلَّ سَخَطُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَإِيَّاكَ وَالْفِرَارَ مِنْ الزَّحْفِ وَإِنْ هَلَكَ النَّاسُ وَإِذَا أَصَابَ النَّاسَ مُوتَانٌ وَأَنْتَ فِيهِمْ فَاثْبُتْ وَأَنْفِقْ عَلَى عِيَالِكَ مِنْ طَوْلِكَ وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ أَدَبًا وَأَخِفْهُمْ فِي اللَّهِ۔[2]

---

[1] العنكبوت: 67

[2] مسند أحمد

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا چاہے قتل ہی کیوں نہ کر دئے جاؤ۔

ایک اور روایت میں فرمایا کہ اگر اس دین کو بچانے کیلئے سب مال و متاع قربان کرکے جنگلات اور چٹانوں کا رخ کرنا پڑے تو اس سے بھی گریز نہ کیا جائے فرمایا۔" يوشك أن يكون خير مال المسلم غنم يتبع بها شعف الجبال ومواقع القطر يفر بدينه من الفتن" [1] ۔

" قریب ہے کہ ایک مسلم کا بہترین مال بکریاں ہوں جنہیں وہ لے کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور چٹیل میدانوں میں چلا جائے فتنوں سے اپنے دین کو بچاتا پھرے" ۔

لیکن عصرِ حاضر میں ہر دوسرا مسلمان اپنے دین کی حفاظت کی ذمہ داری نبھانے سے قاصر نظر آتا ہے۔ اس کی وجوہات میں بنیادی وجہ فتنوں کی کثرت اور ان کے پے درپے حملے ہیں جنہوں نے ایسے وار کئے کہ مسلمان دبتا ہی چلا گیا۔ انہی فتنوں کے باعث ہماری ترجیحات بدل گئیں۔ ایک دور تھا کہ مسلمان کے نزدیک اس کی سب سے قیمتی چیز اس کا مذھب، عقیدہ، اور منہج ہوتا تھا۔ لیکن آج اس کی ترجیحات میں، مال دولت، بچے، رشتہ داریاں اور رسوم ورواج ہیں۔

فتنہ کیا ہے؟

عربی لغت میں لفظِ "فتنہ" کئی ایک معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

۱: امتحان وآزمائش ۲: شیطان ۳: عذاب ۴: ہر وہ چیز یا شخص جو انسان کو اپنے مقصد، نظریے اور حق سے دور کر دے۔

لسان العرب میں ہے: " فتن الرجل أى : أزاله عما كان عليه ، وإن كادوا

---

[1] : صحيح البخاري

ليفتنوك ـ أي : يميلوك ويزيلوك".

" بندے کو فتنے میں مبتلا کر دیا یعنی: اپنے نظریے اور مقصد سے ہٹا دیا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:" وإن كادوا ليفتنوك " کہ قریب ہے یہ لوگ آپ کو مائل کر دیں اور اپنے کام سے ہٹادیں۔

شرعی اصطلاح میں فتنہ سے مراد " ہر وہ چیز ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ سے دور کر دے۔ لہذا ہر وہ چیز جو آپ کو اللہ تعالیٰ سے اس کے ذکر سے اور اس کے راستے سے روک دے یا دور کر دے وہ فتنہ ہے"۔

فتنوں کی اقسام:

فتنوں کی بہت سی اقسام ہیں: چند ایک درجِ ذیل ہیں۔

ا: مال اور اولاد: ارشادِ باری تعالیٰ ہے {**وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ**} [1]

ترجمہ: جان رکھو کہ تمہارے مال اور اولادیں تمہارے لئے فتنہ ہیں۔

جو کاروبار، مال یا اولاد انسان کو فرائض سے غافل کر دے۔ اس میں رکاوٹ بنے وہ اس انسان کیلئے فتنہ بن جاتا ہے۔

۲: عورت کا فتنہ: فرمان باری تعالیٰ ہے:" {**زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ**} [2]

"خوشنما بنادیا گیا لوگوں کے لئے مرغوبات نفس کی محبت کو، جیسے عورتیں"

نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے :" ماتركت بعدى فتنة أضر على الرجال من

---

[1] الأنفال: ٢٨

[2] آل عمران: ١٤

النساء ". [1]

" میں نے مردوں پر اپنے بعد سب سے زیادہ نقصان دہ عورتوں کے فتنے سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں چھوڑا۔

عورتوں کے فتنے سے متعلق زیادہ دلائل سے وضاحت کی ضرورت نہیں بلکہ ہمارے دور میں ہر انسان اس کا بخوبی مشاہدہ کر سکتا ہے کہ ایک سازش کے تحت عورتوں کو کہاں کہاں نہیں استعمال کیا جاتا۔ ماڈلنگ، اشتہارات، استقبالیہ کیلئے غرض جس پروڈیکٹ اور پروجیکٹ کو فروغ دینا ہوتا ہے اس کیلئے عورت کو استعمال کیا جاتا ہے۔

اسلام نے اس فتنے سے بچنے کیلئے انتہائی بہترین طریقہ بتایا ہے کہ: {قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ} [2]

ترجمہ: مومنوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

نیز انسان کو بے پردگی کے مقامات سے کنارہ کش رہنا چاہیئے۔ جن میں سرفہرست بازار اور تفریحی مقامات ہیں۔

عورت کے فتنے کی شدت کو محسوس کرتے ہوئے اہل علم نے یہ فتویٰ صادر فرمایا ہے:

"لاتدخل على المرأة الأجنبية ، وإن كنت تقول : أعلمها القرآن ۔ [3]

کسی اجنبی عورت سے علیحدگی اختیار نہ کرو، چاہے تم یہ کہو کہ میں تو اس کو صرف قرآن سکھا رہا ہوں۔

۳: دنیا کا فتنہ:

---

[1] متفق عليه

[2] النور: ٣٠

[3] الفوائد للشيخ أمين الله ، ج ١ ص ٢٢

نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا : **لا الفقر أخشى عليكم ، ولكن أخشى أن تبسط عليكم الدنيا فتنافسوها كما تنافسوها فتهلككم كما أهلكتهم ۔** ’’ [1]

’’کہ مجھے تم پر فقر وفاقہ کا ڈر نہیں بلکہ مجھے تو یہ ڈر ہے کہ دنیا کی تم پر بہتات کردی جائے گی پھر تم اس کی منافست اور طلب میں لگ جاؤ گے۔ تو وہ تمہیں ایسے ہلاک کردے گی جیسا کہ سابقہ لوگوں کو ہلاک کرچکی۔

آج ہر انسان دنیا میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے جتن کرتا رہتا ہے۔ حرس وہوس کی کوئی حد بندی نہیں۔ ایک لاکھ کا مالک ہے تو دوسرے لاکھ کی طلب میں ہے۔ جو دو کا مالک ہے وہ تیسرے کی، ضروریات میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے حتکہ نماز کیلئے وقت نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔

دنیا کی محبت سے خلاصی کا راستہ : صبر ہے۔ صبر بنیادی طور پر تین قسم کا ہوتا ہے (۱) گناہوں سے صبر (۲) اطاعات اور نیکیوں پر صبر (۳) مصائب وابتلاء پر صبر۔

گناہوں سے صبر سے مراد یہ کہ انسان گناہوں کی لذت دنیا کی محبت اور رنگینیوں میں نہ پڑے بلکہ صبر کرے اور سمجھے کہ یہ عارضی لذت میری دائمی لذت جو کہ آخرت میں ملنی ہے اسے تباہ کردے گی۔ اطاعت پر صبر اس طرح کہ انسان کو نیکی کے عمل کے لئے چند پابندیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جسے بظاہر وہ مشقت سمجھتا ہے لیکن اس معمولی مشقت اور تکلیف پر انسان کو صبر کرتے ہوئے اس پر قائم ودائم رہنا چاہئے۔ اور اس راستے میں جو بھی اس کو تکالیف پہنچتی ہیں ان تکالیف پر بھی صبر کرے۔ تب ہی انسان اس دنیا کی محبت سے جان خلاصی کرا سکتا ہے۔ ورنہ یہ ایسے ہی بندے کو ہلاک کردے گی جیسا کہ پہلے لوگوں کو

[1] البخاری

ہلاک کر چکی۔

ایک مومن کو چاہئے کہ وہ اپنے کھانے پینے کو ، اپنے مال ومتاع کو ، اپنے اقارب واحباب، رشتوں وتعلقات، سیاحت وسیر ، تمام کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر حاوی نہ ہونے دے۔

(۴) فتنوں کی چوتھی قسم : دنیاوی علوم بھی ہیں ۔ فرمان باری تعالیٰ ہے {فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ}[1]

ترجمہ : پس جب کبھی ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے تو یہ اپنے پاس کے علم پر اترانے لگے۔

ہم نے بارہا اپنی زندگیوں میں مشاہدہ کیا ہو گا کہ سائنسی ترقی ، اس کا حدود وقیود سے عاری استعمال، اس کے بے بنیاد نظریات کی بنا پر بیشتر مسلمان اپنے بنیادی عقائد اور غیبیات کے مسائل میں شک کرنے لگتے ہیں۔ اور بات یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ انسان رب کا انکاری ہو جاتا ہے۔ (والعیاذ باللہ) ہر چیز کے پیچھے گراؤنڈ اور تکنیکی نقائص کی وجوہات کا متلاشی رہتا ہے۔ جبکہ قدرتی آفات کا سبب بھی وہ فنی مہارت کی کمی بتاتا ہے۔ لیکن یہ بھول جاتا ہے کہ :

{وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ}[2]

ترجمہ : ہم بطریق امتحان تم میں سے ہر ایک کو برائی بھلائی میں مبتلا کرتے ہیں اور تم سب ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے۔

---

[1] غافر: ۸۳

[2] الأنبياء: ۳۵

{وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَى دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ} [1]

ترجمہ : بالیقین ہم انہیں قریب کے چھوٹے سے بعض عذاب اس بڑے عذاب کے سوا چکھائیں گے تاکہ وہ لوٹ آئیں۔

کے اصول کو فراموش کر دیتا ہے۔ ہاں سائنسی ایجادات سے فائدہ اٹھانا لازمی امر ہے لیکن یہ ایجادات اور یہ علم ہمارے رب کے اور غیبیات کے عقیدے میں بڑھوتری کا باعث ہونا چاہئے نہ کہ کفر و عناد اور سرکشی کا۔ اور یہ علوم ہماری گمراہی نہیں بلکہ ہدایت کا باعث بننے چاہئیں اوران علوم پر انسان کو اتنا معتمد نہیں ہونا چاہئے کہ وہ مبادئ دین سے انحراف کر جائے!

یہ فتنوں کی چند بنیادی اقسام ہیں اس کے علاوہ۔ جدید ہر قسم کی ایجادات جس میں کمپیوٹر، انٹرنیٹ، کیبل، ٹی وی، کھیل غرض حدّث ولا حرج۔

ایک مسلم گھنٹوں انٹرنیٹ اور ٹی وی کے سامنے بیٹھا رہتا ہے۔ ایمان وحیا کا سودا کر کے نمازوں حقوق العباد کو فراموش کر دیتا ہے۔ کھیل میں پانچ وقت کی نماز، والدین کے حقوق کا کوئی خیال نہیں رہتا لہذا جو چیز بھی انسان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دیتی ہے وہ اس کے لئے فتنہ ہے چاہے وہ مباح چیز ہی کیوں نہ ہو۔

آخری دور میں فتنوں کی شدت:

ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((بادروا، بادروا بالأعمال فتناً كقطع الليل المظلم، يصبح الرجل مؤمناً ويمسي كافراً، أو يمسي مؤمناً ويصبح كافراً))۔ [2]

ترجمہ : ”اعمال صالحہ میں جلدی کرو اس سے پہلے کہ اندھیری رات کی طرح فتنے تم

---

[1] السجدة: ٢١

[2] صحيح مسلم ، مسند أحمد

لوگوں کو گھیر لیں جن میں انسان صبح مومن اور شام کو کافر ہو جائے گا پھر شام کو مومن ہو گا لیکن صبح تک کافر ہو جائے گا اور اپنے دین کو دنیا کے تھوڑے سے مال کے عوض بیچ دے گا۔

فتنے مومن کے دل پر کیسے نازل ہوتے ہیں؟:

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تعرض الفتن على القلوب كعرض الحصير عودا عودا، فأي قلب أشربها نكتت فيه نكتة سوداء، وأي قلب أنكرها نكتت فيه نكتة بيضاء، حتى تعود القلوب على قلبين :قلب أسود مربادا كالكوز مجخيا، لا يعرف معروفا و لا ينكر منكرا، إلا ما أشرب من هواه، و قلب أبيض فلا تضره فتنة ما دامت السماوات و الأرض ".[1]

ترجمہ : لوگوں کے دلوں پر فتنے اس طرح ڈالے جائیں گے جس طرح چٹائی کے تنکے ہوتے ہیں یعنی جس طرح چٹائی میں تنکے ایک کے پیچھے ایک لگائے جاتے ہیں اسی طرح سے دلوں پر ایک کے بعد ایک فتنے ڈالے جائیں گے پس جو دل ان فتنوں کو قبول کرے گا اس میں سیاہ نکتہ ڈال دیا جائے گا اور جو دل ان فتنوں کو قبول کرنے سے انکار کرے گا اس میں سفید نکتہ پیدا کر دیا جائے گا پس انسان ان فتنوں کے پیش آنے اور ان کے دلوں پر ان فتنوں کی تاثیر وعدم تاثیر کے اعتبار سے دو قسموں میں بٹ جائیں گے (یا یہ کہ انسان کے دل مذکورہ اعتبار کے مطابق دو قسم کے ہو جائیں گے) ایک تو سفید مثل سنگ مرمر کے کہ جس پر کوئی چیز اثر انداز نہیں ہوتی واضح رہے کہ اس تشبیہ میں محض سفیدی مراد نہیں ہے بلکہ سختی اور قوت کا اعتبار بھی ملحوظ رکھا گیا ہے چنانچہ اس طرح کے دل پر کوئی بھی فتنہ اثر انداز اور مسرت رساں نہیں ہو گا جب تک کہ زمین وآسمان قائم و باقی ہیں (یعنی اس دل

[1] صحیح مسلم

کی یہ کیفیت ہمیشہ باقی رہے گی) اور دوسرا راکھ کے رنگ جیسا سیال دل، اوندھے برتن کی مانند (کہ اس میں جو کچھ بھی ہو گر پڑے، مطلب یہ کہ اس طرح کا دل راکھ کی مانند سیاہ اور اوندھے برتن کی طرح ایمان و معرفت کے نور سے خالی ہوگا چنانچہ اس طرح کا دل نہ تو نیک واچھے اور مشروع کاموں کو پہچانے گا اور نہ برے کاموں کو برا جانے گا، وہ تو بس اس چیز سے مطلب رکھے گا جو از قسم خواہشات اس میں رچ بس گئی ہے اور جس کی محبت کا وہ اسیر بن چکا ہے۔ (یعنی وہ طبعی طور پر نفسانی خواہشات کا غلام ہوگا اور اچھی و بری کا امتیاز کئے بغیر ہر اس چیز کے پیچھے بھاگے گا جو اس کے نفس کو مرغوب ہوگی) اور ایک دل ایسا سفید ہو جائے گا کہ جب تک زمین وآسمان باقی ہیں اس پر کوئی فتنہ اثر نہیں کرے گا۔

انہی فتنوں کی سنگینی بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:" **ستكون فتن القاعد فيها خير من القائم والقائم فيها خير من الماشي والماشي فيها خير من الساعي من تشرف لها تستشرفه فمن وجد منها ملجأ أو معاذا فليعذ به"-**

ترجمہ: ''کہ عنقریب فتنوں کا ظہور ہوگا، ان فتنوں کے زمانہ میں بیٹھنے والا بہتر ہوگا چلنے والے سے اور چلنے والا بہتر ہوگا دوڑنے والے سے، جو شخص ان فتنوں کی طرف جھانکے گا فتنہ اس کو اپنی طرف کھینچ لے گا (اس زمانہ میں) اگر کوئی پناہ کی جگہ پائے تو وہاں جا کر پناہ حاصل کر لے۔''

فتنوں سے بچاؤ کے طریقے:

ا: ایسے جگہ اور مقام سے حتی الامکان دور رہا جائے جہاں انسان کو اندازہ ہو کہ وہ فتنے میں مبتلا ہو سکتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں '' باب من الايمان الفرار من الفتن ''(یعنی فتنوں سے دور رہنا ایمان کا حصہ ہے)۔ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ: نبی اکرم ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے: **يوشک أن يكون خير مال المسلم غنما يتبع بها شعف**

الجبال ومواقع القطر يفر بدينه من الفتن ۔"[1]

" قریب ہے کہ مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں کہ وہ انہیں لیکر پہاڑوں کی چوٹیوں اور چٹیل میدانوں میں چلا جائے، فتنوں سے اپنے دین کو بچاتا ہوا"۔

آپ ﷺ نے حذیفہ بن یمان کو بھی یہی نصیحت کی کہ: ولوا أن تعض بأصل شجرة حتى يدركك الموت وأنت على ذلك ۔

ترجمہ: اگرچہ تجھے کسی درخت کی جڑ میں پناہ لینی پڑے یہاں تک کہ اسی حالت میں تجھ کو موت آجائے۔

الغرض ان روایات سے یہی مفہوم واضح ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے دین کے بچانے کی فکر لاحق ہونی چاہئے اور اگر اس کیلئے اس کو اپنے علاقے اور آبادیوں کو خیرباد بھی کہنا پڑے تو کہہ دے۔ اور حتی الامکان فتنوں کے مقامات سے دور رہے۔

۲: زبان کی حفاظت۔

انسان اگر اپنی زبان کی حفاظت کرلیتا ہے تو بیشمار اخلاقی، معاشرتی برائیوں اور بیماریوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو نصحیت کرتے ہوئے فرمایا:" أمسك عليك لسانك ، وليسعك بيتك ، وابك على خطيئتك ۔"[2]

ترجمہ: "اپنی زبان کو قابو میں رکھو تمہارا گھر تمہاری کفایت کرے اور اپنے گناہوں پر روؤ۔

آج کے دور میں بیشتر خاندانی جھگڑوں کا باعث یہی زبان ہے۔ اگر انسان اس کو کنٹرول

---

[1] البخاري

[2] سنن أبي داؤد

کرے تو لوگ اس کے شر سے بھی محفوظ ہو جائیں گے اور وہ بھی ان جھگڑوں اور تنازعات سے خود کو محفوظ کر سکتا ہے۔

۳:عبادت کی کثرت۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے : "بادروا، بادروا بالأعمال فتناً كقطع الليل المظلم، يصبح الرجل مؤمناً ويمسي كافراً، أو يمسي مؤمناً ويصبح كافراً

”کہ اندھیری رات کی مانند فتنوں کے نزول سے پہلے نیک اعمال کرلو، یہ فتنے ایسے شدید ہوں گے کہ بندہ صبح کو مومن ہو گا اور شام کو کافر، شام کو مومن ہو گا اور صبح کو کافر۔ اپنے دین کو دنیا کے چند ٹکوں کے بدلے بیچ ڈالے گا “۔

۴: قرآنِ مجید سے رہنمائی لینا۔

فتنوں سے محفوظ رہنے کی سب سے مضبوط راہ قرآن مجید سے تعلق کی مضبوطی ہے۔ علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ، فرماتے ہیں: ستكون فتنا ، قيل : ماالمخرج منها يا رسول الله ! قال كتاب الله ۔ [1]

آپ ﷺ نے فرمایا فتنوں کی بہتات ہو گی۔ پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول ان سے خلاصی کیسے ممکن ہے تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ذریعے۔

نیز فرمانِ باری تعالیٰ بھی ہے: {إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ} [2]

” یقیناً یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے“

۵: صبر۔ آپ ﷺ نے جب خروج دجال کا ذکر کیا تو فرمایا: فاصبروا ”یعنی اس کے فتنے سے بچنے کیلئے صبر کرو۔

---

[1] سنن ابی داؤد

[2] الإسراء: 9

صبر کے ثمرات بڑے عظیم ہیں ۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے : {إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ}[1]

ترجمہ: صابر لوگوں کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا۔

۶ : **شبہات سے اجتناب :** آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ومن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه وعرضه ''پس جس شخص نے اپنے آپ کو مشتبہ امور سے بچالیا تو اپنے دین کو اور اپنی آبرو کو بچالیا اور جو شخص مشتبہ امور میں پڑا وہ آخر کار حرام میں مبتلا ہوا۔

لہذا ایک مومن فتنوں سے محفوظ ہونا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ اپنے کاروبار، لین دین اور دیگر معاملات میں شبہات سے بچے۔ جس امر سے متعلق اس کو شک گذرے کہ اس میں حرام کی آمیزش ہو سکتی ہے اس کو ترک کردے۔ اس طرح ہی وہ ان فتنوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

۷ : دعا کا اہتمام کرنا۔ توبہ واستغفار کرنا۔

دعا مومن کا ہتھیار ہے۔ فتنے سے بچاؤ کیلئے کثرت سے دعا کرنی چاہئے۔ اور بالخصوص ان دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہئے جو آپ ﷺ نے ان فتنوں سے بچاؤ کیلئے بتائی ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُعَلِّمُهُمْ هَذَا الدُّعَاءَ كَمَا يُعَلِّمُهُمُ السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ يَقُولُ: قُولُوا : اللَّهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ ۔[2]

'' رسول اللہ ﷺ ہمیں یہ دعا اس طرح سکھایا کرتے تھے جیسا کہ قرآن مجید کی کوئی

---

[1] الزمر: 10

[2] صحيح مسلم

سورت سکھاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ یہ کہا کرو۔" اللَّهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ ''اے اللہ میں تجھ سے عذاب قبر، آگ کے عذاب زندگی اور موت کے فتنے اور مسیح دجال کے فتنے سے پناہ مانگتا ہوں۔

۸: اللہ تعالیٰ پر ایمانِ کامل رکھنا:

عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا:" **ثم تجيء فتن يرقق بعضها بعضا فيقول المؤمن هذه مهلكتي ثم تنكشف ثم تجيء فتنة فيقول المؤمن هذه مهلكتي ثم تنكشف فمن سره أن يزحزح عن النار ويدخل الجنة فلتدركه موتته وهو يؤمن بالله واليوم الآخر وليأت إلى الناس الذي يحب أن يأتوا إليه** " . [1]

ترجمہ:''پھر ایسے فتنہ ہوں گے کہ ایک کے مقابلہ میں دوسرا ہلکا معلوم ہوگا تو مومن کہے گا کہ اس میں میری تباہی ہے پھر وہ فتنہ چھٹ جائیگا۔ لہٰذا جسے اس بات سی خوش ہو کہ دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل ہو تو اسے ایسی حالت میں موت آنی چاہیئے کہ وہ اللہ تعالی پر اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو اور اسے چاہئے کہ لوگوں کیساتھ ایسا معاملہ رکھے جیسا وہ پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کے ساتھ رکھیں۔

یہ چند ایک بنیادی اصول اور ہدایات ہیں جن سے ایک مومن آج کے پر فتن دور میں اپنے آپ کو محفوظ و مامون رکھ سکتا ہے۔

وصلی اللہ و سلم علی نبینا محمد و علی آله وصحبه أجمعين

---

[1] سنن ابن ماجه



عقیدہ و منہج

صحیح بخاری کتاب التوحید کی تشریح وتوضیح

از علامہ بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ

باب ماجاء فی دعاء النبی ﷺ الی توحید اللہ تبارک وتعالیٰ

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب التوحید میں پہلا عنوان یہ رکھا کہ تمام انبیاء کی پہلی اور بنیادی دعوت توحید کی دعوت تھی۔ جب تک توحید پختہ نہیں ہوگی تب تک کوئی عمل صحیح نہیں ہوگا۔ لہٰذا دعوتِ توحید تمام انبیاء کی مشترکہ اور اولین دعوت ہے۔

توحید کی اقسام:

توحید کی تین قسمیں ہیں۔(۱)توحید ربوبیت (۲) توحید الوھیت (۳) توحید اسماء وصفات۔

مشرکینِ مکہ توحیدِ ربوبیت کے معترف تھے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: {وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ...}[1]

ترجمہ: اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمان وزمین کا خالق کون ہے؟ تو ضرور جواب دیں گے کہ اللہ"۔

توحیدِ ربوبیت کے دلائل:

☆ قال تعالیٰ: {قُل لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَن فِيهَا إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ (84) سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ}[2]

ترجمہ: پوچھیے تو سہی کہ زمین اور اس کی کل چیزیں کس کی ہیں؟ بتلاؤ اگر جانتے ہو۔ فوراً جواب دیں گے کہ اللہ کی، کہہ دیجئے کہ پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے۔

---

[1] [لقمان: 25]

[2] [المؤمنون: 84، 85]

☆ قال تعالیٰ : {وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللهِ زُلْفَى۔۔۔} [1]

ترجمہ :اور جن لوگوں نے اس کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں (کہتے ہیں کہ) ہم ان کی بندگی اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ تک رسائی دیتے ہیں۔

☆ قال تعالیٰ : {وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللهِ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ} [2]

ترجمہ : اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں آپ کہہ دیجئے کہ تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔

☆ قال تعالیٰ:{أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ} [3]

ترجمہ : کیا ایسوں کو شریک ٹھہراتے ہو جو کسی کو پیدا نہ کر سکیں اور وہ خود ہی پیدا کئے گئے ہوں۔

☆ قال تعالیٰ:{أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ} [4]

ترجمہ :تو کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اس جیسا ہے جو پیدا نہیں کر سکتا؟ کیا تم بالکل نہیں سوچتے۔

☆ قال تعالیٰ : {قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ

---

[1] [الزمر: 3]

[2] [یونس: 18]

[3] [الأعراف: 191]

[4] [النحل: 17]

وَمَنۡ يُخۡرِجُ الۡحَيَّ مِنَ الۡمَيِّتِ وَيُخۡرِجُ الۡمَيِّتَ مِنَ الۡحَيِّ وَمَنۡ يُدَبِّرُ الۡأَمۡرَ فَسَيَقُولُونَ اللهُ فَقُلۡ أَفَلَا تَتَّقُونَ}[1]

ترجمہ :آپ کہئے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہی کہیں گے کہ 'اللہ' تو ان سے کہیئے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے۔

☆ قال تعالیٰ : {قُلۡ مَنۡ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيۡءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيۡهِ إِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُونَ}[2]

ترجمہ : پوچھیئے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ جو پناہ دیتا ہے اور جس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ؟

ان تمام آیات سے واضح ہوا کہ مکہ کے مشرک توحید ربوبیت کے اقراری تھے یہی وجہ تھی کہ جب وہ طواف کرتے تو یہ تلبیہ پڑھا کرتے تھے۔ لبیک اللھم لبیک ، لبیك لا شریک لک لبیک ، إلا شریکا ھو لک تملکه ومالملک --

وہ اس دور کے مشرکین کی مانند نہیں تھے کہ جو کہتے ہیں کہ فلاں نے مردوں کو زندہ کیا اور فلاں کو مرنے نہ دیا۔!

اس مسیحا کو ذرا دیکھے آکے ابن مریم!

یہ مولوی حسین احمد کا مرثیہ ہے علی گنگوھی کی شان میں مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا۔

رہی توحیدِ الوھیت :تو توحید الوھیت میں مشرکین الگ ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کا کہنا ہے

---

[1] [یونس: 31]

[2] [المؤمنون: 88]

(مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى) وہ ان کو وسیلہ اور واسطہ بناتے تھے۔ یہ ہمارا (اہل السنۃ والجماعۃ) کا عقیدہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اور اپنے درمیان کوئی وسیلہ اور واسطہ بنایا ہی نہیں۔ بلکہ ربّ تعالیٰ تو خود یہ فرمارہا ہے: {وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ}

اور اگر کوئی واسطہ ہوتا تو اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہوتا اور اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو اس سے مطلع فرماتا۔ الغرض ایک چیز کا سرے سے وجود ہی نہیں اور ان لوگوں نے اس کو گھڑ لیا اور کہتے ہیں کہ ہم وسیلہ اختیار کرتے ہیں۔

اب انہوں نے یہ دروازہ کھول دیا۔ اب ان کے چشتی، نقشبندی، اور سہروردی طریقوں کی سندیں بنی ہوئی ہیں۔ کہتے ہیں فلاں نے اس کے واسطے سے فلاں اس کے واسطے سے حتکہ حسن بصری تک پہنچ جاتے ہیں اور پھر کہتے ہیں حسن بصری رحمہ اللہ نے علی رضی اللہ عنہ سے سیکھا چاروں طریقوں کی سند حسن بصری تک پھر علی رضی اللہ عنہ تک پہنچائی جاتی ہے۔ حالانکہ پوری دنیا جانتی ہے کہ حسن بصری رحمہ اللہ کی علی رضی اللہ عنہ سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی ان لوگوں نے یہ ملاقات کہاں سے ثابت کر دی۔

یہ بحث اگرچہ ہمارے موضوع کا حصہ نہیں لیکن یہ وضاحت کرنا مقصود ہے کہ یہ محض پروپیگنڈا ہے۔ حقیقت سے ان طریقوں کی اسناد کا کوئی تعلق نہیں۔ جیسا کہ رشید احمد گنگوھی کے حوالے سے بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ اصحابِ کھف کے توسل سے یہاں تک لکھا کہ ان کے کتے کے واسطے بخش دے۔

ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ اور واسطہ بنالینا توحیدِ الوھیت کے منافی ہے۔ مکہ کے مشرک اس بات پر مخالف نہیں تھے کہ وہ اللہ کو نہیں مانتے۔ بلکہ وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے۔ چنانچہ سنن ترمذی میں ایک مشہور واقعہ منقول ہے: **عن عمران بن حصين**

قال : قال النبي صلى الله عليه وسلم لابي : " يا حصين ، كم تعبد اليوم إلها؟ " قال أبي : سبعة : ستة في الارض ، وواحدا في السماء ، قال : " فأيهم تعد لرغبتك ورهبتك ؟ " قال : الذي في السماء - "

عمران بن حصین روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے میرے والد سے پوچھا کہ کتنے الٰہوں کی عبادت کرتے ہو، انہوں نے کہا سات الٰہوں کی ایک آسمان میں ہے اور چھے زمین میں۔ آپ ﷺ نے پوچھا ڈرتے کس سے ہو تو اس نے کہا جو آسمان میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ مانتے تھے کہ تمام کام اللہ تعالیٰ کرتا ہے لیکن ان معبودان کے توسط سے پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے۔

لیکن توحید الوھیت میں یہ چیز ختم ہو جاتی ہے۔

اب رہی توحید اسماء وصفات کہ: ہم اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات میں بے مثل اور صفات میں بے مثل مانیں۔

یہ بنیادی توحید ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں پر فرض کی اور یہ ان کی سب سے اولین دعوت تھی۔ رسول اللہ ﷺ جب بھی کہیں مبلغ بھیجتے تو پہلی وصیت یہی کرتے تھے (یعنی سب سے پہلے توحید کی جانب دعوت دینی ہے)۔

اس ضمن میں مصنف رحمہ اللہ نے چار روایتیں بیان کی ہیں۔

پہلی حدیث : حدثنا أبو عاصم حدثنا زكرياء بن إسحاق عن يحيى بن محمد بن عبد الله بن صيفي عن أبي معبد عن ابن عباس رضي الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم بعث معاذا إلى اليمن

دوسری حدیث : **وحدثني عبد الله بن أبي الأسود حدثنا الفضل بن العلاء حدثنا إسماعيل بن أمية عن يحيى بن محمد بن عبد الله بن صيفي أنه سمع أبا معبد مولى ابن عباس يقول سمعت ابن عباس يقول لما بعث النبي صلى الله عليه وسلم معاذ بن جبل إلى نحو أهل اليمن قال له إنك تقدم على قوم من أهل**

الكتاب فليكن أول ما تدعوهم إلى أن يوحدوا الله تعالى فإذا عرفوا ذلك فأخبرهم أن الله قد فرض عليهم خمس صلوات في يومهم وليلتهم فإذا صلوا فأخبرهم أن الله افترض عليهم زكاة في أموالهم تؤخذ من غنيهم فترد على فقيرهم فإذا أقروا بذلك فخذ منهم وتوق كرائم أموال الناس

"آپ ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو ان کو یہی سمجھایا کہ سب سے پہلے اللہ کی توحید کی دعوت دینا۔ پھر جب وہ توحید کو تسلیم کرلیں تو اس کے بعد نماز پھر زکاۃ کی دعوت دینا"۔

راویوں کا تعارف:

حدثنا أبو عاصم : ان کا نام: ضحاک بن مخلد ہے۔ احمد بن ابی عاصم نامی بہت بڑے محدث کے پوتا ہیں۔ احمد بن ابی عاصم کی کتاب الدیات (۲) کتاب الجہاد (۳) کتاب السنۃ بھی اس کی چھپی ہوئی ہے ابو عاصم انہی کے پوتا ہیں جو بہت بڑے محدث ہیں۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ جن کا نام تبع تابعین کی فہرست میں آتا ہے۔ ان کی اکثر روایتیں امام بخاری رحمہ اللہ کی ثلاثیات میں ہیں۔ جن کے یہ راوی ہیں۔

دوسرے راوی: عبد اللہ بن صیفی۔ ابی معبد یہ ابن عباس کے غلام ہیں جن کا نام نافع ہے۔

عبد الله بن أبى الأسود : ان کی نسبت اپنے دادا کی طرف ہے نام: عبد اللہ بن محمد بن أبی الأسود ہے اور کنیت ابو العلاء ہے۔ ان دونوں سندوں کا مدار یحیی بن عبد اللہ صیفی پر ہے۔

اس دوسری سند کا فائدہ یہ ہوا کہ اس میں ابن صیفی کا سماع ابو معبد سے ہے۔ معبد کا سماع ابن عباس سے ہے یہ مزید توثیق ہے۔ امام بخاری کی شرط ہے کہ میری کتاب کے لئے کم سے کم لقاء ایک مرتبہ ثابت ہو حالانکہ وہ صحیح سب کو مانتے ہیں لیکن اس کتاب میں یہ خاص شرط رکھی۔

اوّل ما تدعوا اليه أن يوحدوا الله - سب سے پہلی بات کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کریں۔ یعنی تینوں لحاظ سے ربوبیت میں الوھیت میں اور اسماء وصفات میں۔ اگر ان میں سے

ایک چیز نکل گئی تو پھر وہ معاملہ ختم ہو گیا۔ بنیادی چیز بھی ہے۔ اس چیز کو اول کتاب میں لانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ سب سے پہلے یہ بات ہے جب تک یہ مکمل نہیں ہوتی دوسری کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اب دیکھیں یہاں " عرفوا "کہا" اقرءوا " نہیں کہا۔ کیونکہ ضروری ہے کہ معرفت پہلے ہونی چاہئے۔ جیسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں باب باندھا کہ:" باب العلم قبل القول والعمل۔ جب انسان کو یہ معرفت نہیں تو وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کیسے لائے گا؟ " فاعلم أنه لا اله إلا الله دخل الجنة " پہلے ان کو یہ جاننا چاہئے کہ الہ صرف ایک ہے۔ زبان سے کہنے کا کیا فائدہ معرفت ضروری ہے۔

فاخبرهم أن الله افترض عليهم ۔ اب یہاں یہ نہیں کہا کہ اقرار کافی ہے بلکہ یہ تعلیم دی کہ انہیں نماز پڑھ کر دکھائیں۔ اور نماز پڑھنا شرط ہے۔

تأخذمن اغنياءهم ۔ یعنی امیروں سے لیکر غریبوں میں تقسیم کی جائے۔ اب یہاں ضمیر تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ غنيهم وفقيرهم - من غنيهم مضاف اليه ہے یہ تخصیص کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی زکاۃ مسلمانوں سے لی جائے گی غیر مسلموں سے نہیں اور وہ خرچ بھی مسلمانوں پر ہوگی غیر مسلموں پر نہیں۔ ہاں البتہ فرض زکاۃ کے علاوہ جو صدقات ہیں وہ غیر مسلموں کو بھی دے دئے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ سورہ بقرہ میں یہ مسئلہ بیان ہوا ہے۔

لیکن فرائض یعنی زکاۃ یا صدقۃ الفطر یہ فرائض ہیں ان پر غیر مسلموں کا کوئی حق نہیں۔

نیز اسلام میں اس چیز سے بھی منع کیا گیا ہے زکاۃ مال میں سے چن چن کر بہترین جانور نکالے جائیں بلکہ درمیانے درجے کے لینے کا حکم ہے۔

تیسری حدیث : حدثنا محمد بن بشار حدثنا غندر حدثنا شعبة عن أبي حصين والأشعث بن سليم سمعا الأسود بن هلال عن معاذ بن جبل قال قال النبي صلى الله عليه وسلم يا معاذ أتدري ما حق الله على العباد قال الله ورسوله أعلم قال أن يعبدوه ولا يشركوا به شيئا أتدري ما حقهم عليه قال الله ورسوله

أعلم قال أن لا يعذبهم -

محمد بن بشار کا لقب بندار ہے۔ یہ امام بخاری کے مشہور مشائخ میں سے ہیں۔

حدثنا غندر: ان کا نام محمد بن جعفر ہے۔ مشہور ثقہ ہیں لیکن کبھی کبھی مغفل ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ " ایک دفعہ مچھلی لے آئے ان کے گھر والے پکانے لگے آپ سو گئے انہوں نے پکا کر تھوڑا سا منہ اور ہاتھوں کو لگا دیا جب اٹھے تو کہنے لگے سالن کہاں ہے؟ انہوں نے کہا کہ سالن تو آپ نے کھایا ہے کہا کہاں کھایا ہے؟ انہوں نے کہا یہ دیکھو تو کہنے لگے کھایا تو ہے لیکن پیٹ نہیں بھرا۔

شعبہ بن حجاج: ابو بستان بہت بڑے محدث ہیں، عراق میں سب سے پہلے یہ شخص تھے جنہوں نے جرح وتعدیل کی بات کو اٹھایا۔ کیونکہ عراق فتنے کا باعث تھا۔ آپ دیکھیں وہیں سے سارے فتنے اٹھے۔ اہل الرائے کا گڑھ وہی تھا۔ فتنہ جھمیہ معتزلہ وغیرہ کی بھی اصل عراق سے ہے۔ اور بعض فتنے بصرہ سے اٹھے اور بصرہ بھی عراق کے قریب ہے۔ جیسا کہ وہاں کے لوگوں نے سعد بن ابی وقاص رجضی اللہ عنہ کی نماز تک پر اعتراض کیا۔ کہ ان کی نماز صحیح نہیں۔ تو شعبہ نے وہاں سب سے پہلے فنِ جرح وتعدیل کو عام کیا۔ کیونکہ وہاں جھوٹوں کی کثرت تھی۔

حتیٰ کہ ابو اسامہ فرماتے ہیں کہ: لولا جابر الجعفی لكان أهل الكوفةبلا حديث - ولولا حماد بن أبي سليمان لكان أهل الكوفةبلا فقه(الترمذي) یہی تو وہ جگہ ہے کہ حماد کو اس کے استاد نے بعض مسائل (جیسے مسئلہ ارجاء) پر اختلافات کی وجہ سے مجلس سے اٹھا دیا تھا۔ کیونکہ ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ ہماری تو ایک باقاعدہ مسند اور سلسلہ ہے۔ جیسا کہ محمد بن حسن کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے حماد سے دین حاصل کیا حماد نے ابراھیم نخعی سے اور ابراھیم نخعی نے علقمہ سے اور علقمہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے۔

اور پھر یہ بھی کہتے ہیں ابراھیم نخعی نے فقہ کو پانی دیا حماد نے اس میں ہل چلایا ابو حنیفہ نے اس میں بیج ڈالے پھر اس کو کاٹا اور پکایا اور سب مل کر اس کو کھا رہے ہیں۔

حالانکہ حقیقت میں دیکھا جائے تو ایسا نہیں ہے۔ واقعی وہاں (کوفہ میں) ایک ستون تھا جہاں بیٹھ کر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ درس دیا کرتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد وہ جگہ علقمہ نے سنبھالی وہ درس دیا کرتے تھے۔ پھر ابراھیم نخعی کے بعد معاملہ بدلتا ہے وہاں حماد نہیں آتے بلکہ وہاں ابراھیم نخعی کی وفات کے بعد منصور بیٹھا کرتے تھے۔ منصور کے بعد سفیان الثوری بیٹھا کرتے تھے۔ سفیان ثوری کے بعد وکیع بن جراح بیٹھا کرتے تھے۔ وقیع کے بعد ابن ابی شیبہ بیٹھتے تھے۔ ابن ابی شیبہ کے بعد ابو العباس بیٹھتے ہیں۔ یہ معاملہ ہی اور جانب نکل گیا۔ یہاں ان لوگوں نے ڈنڈی ماری ہے۔

عمران بن ابی حصین: اس کا نام عثمان بن عاص الاسدی ہے۔ مشہور ہیں۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل سے سوال کیوں کیا؟ یہاں نکتے کی بات ہے۔

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے تھے تاکہ معاذ پوری توجہ سے میری بات سن سکے۔

(۲) مسئلہ کی اہمیت کے باعث۔ یعنی یہ مسئلہ انتہائی اہم ہے وہ ہے اللہ تعالیٰ کے حق سے متعلق تو معلوم کیا جاسکے کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟

فرمایا: الله ورسوله أعلم: یہ ان لوگوں کا علم تھا یہاں رائے کو دخل نہیں دیتے تھے۔

لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ: جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: " العلم ثلاثة ، كتاب ، أو سنة أو لا أدري "۔ جبکہ یہ لوگ رائے اور قیاس کو چلاتے ہیں۔ اب ایسا کرو اب اس طرح کرو یہ چیزیں شریعت میں کہاں ہے بلکہ قرونِ اولیٰ کے لوگ تو سکوت کرلیا کرتے تھے۔ جب ان کے پاس کوئی شرعی دلیل نہیں ہوا کرتی تھی۔

اب دیکھیں امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام العالمین ہیں لیکن اس

کے باوجود وحی کے آنے کا انتظار کر لیا کرتے تھے۔ کہ میرے پاس وحی نہیں آئی۔

یعنی کسی اور کا حق نہیں ہے اس بات کا ان لوگوں کا یہ حال تھا آج ہمارے لئے یہ بات باعثِ شرم بن گئی ہے لوگ کہیں گے اتنا بڑا مولوی '' لا أدری '' کہہ دیا حالانکہ امام مالک کے پاس ایک آدمی افریقا سے چلتا ہے چھ مھینے پیدل سفر کرکے وہاں پہنچتا ہے بتایا کہ میں افریقا سے آیا ہوں وہاں کے علماء ایک مسئلے میں مختلف ہوئے ہیں اور آخر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ جو امام مالک فیصلہ کریں گے وہ ہم سب کو منظور ہے اس کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔ جب مسئلہ پیش کیا تو امام صاحب نے جواب میں کہا'' لا ادری '' اس نے کہا اب میں کیا کروں چھ مھینے پیدل سفر کرکے یہاں پہنچا ہوں اور چھ مہینے مجھے واپس جانے میں لگیں گے۔ کیا کہوں گا ان کو واپس جا کر؟ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جا کر کہنا کہ: "یقول مالک بن أنس أنا لا أدري ". یہ کہ مالک بن انس کہتے ہیں مجھے معلوم نہیں ہے۔

سلامتی کا طریقہ تھا ان کو اللہ نے اسی وجہ سے مقبولیت دی تھی اسی ایمانداری کی بنا پر وہ اپنی آپ کو خطا سے مبرا کبھی نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن ان کے اخلاص میں کوئی شک نہیں اخلاص ان کا یہ تھا اسی بنا پر اللہ نے ان کو یہ عزت شہرت دی۔ ہم میں یہ چیز نہیں ہے۔

اللہ اور اس کا رسول جانتے ہیں۔ اللہ اس لئے کہ وہ تو ہے ہی جاننے والا رسول اس لئے کہ وہ تو اللہ کے پیغمبر ہیں۔ پیغامات انہیں کے پاس آتے تھے۔ آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ آپ یہ بات کہہ دیتے ہیں لہذا آپ ﷺ کے پاس پیغام آتا تھا۔ اسی کی بنا پر آپ ﷺ دعوت دیتے تھے۔ (جاری ہے)

وصلى الله و سلم على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين

احکام و مسائل:

رمضان المبارک کے روزے اور دیگر احکام ومسائل

فضیلۃ الشیخ حافظ محمد سلیم حفظہ اللہ [1]

۱۔ رمضان المبارک کے روزوں کا اسلام میں مقام؟

اس بارے میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"بني الإسلام على خمس شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله وإقام الصلاة وإيتاء الزكاة والحج وصوم رمضان"۔ [2]

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام (کا محل پانچ ستونوں) پر بنایا گیا ہے، اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، نماز پڑھنا، زکوۃ دینا، حج کرنا، رمضان کے روزے رکھنا۔

فائدہ: روزہ دین اسلام کا بنیادی رکن ہے۔

۲۔ رمضان کے روزوں کا شرعی حکم؟

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ ١٨٣ [3]

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

فائدہ: ہر مسلمان، عاقل، بالغ، تندرست اور مقیم پر رمضان المبارک کے روزے

---

[1] مفتی المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر

[2] الصحيح البخاري، كتاب الإيمان

[3] سورة البقرة: 183

فرض ہیں۔

۳۔ امتِ مسلمہ پر پہلی مرتبہ روزے کب فرض ہوئے؟

ہجرت کے دوسرے سال جب رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو اس میں روزے فرض ہوئے (بحوالہ کتب سیر)۔ جبکہ اس سے پہلے عاشوراء کا روزہ فرض تھا۔

عروہ بن زبیر ام المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ:

أن عائشة رضي الله عنها قالت كان رسول الله ﷺ أمر بصيام يوم عاشوراء فلما فرض رمضان كان من شاء صام ومن شاء أفطر۔ [1]

انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ عاشورہ کے دن روزہ رکھنے کا حکم دیتے تھے جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو جس کی خواہش ہوتی روزہ رکھتا اور جس کی خواہش نہ ہوتی تو وہ روزہ نہ رکھتا۔

۴۔ مقصدِ روزہ کیا ہے؟

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

[لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝١٨٣] ترجمہ: تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

فائدہ: یعنی روزہ کا مقصد تقویٰ کا حصول ہے جو کہ تمام عبادات سے بھی مقصود ہے۔ یعنی گناہوں سے باز رہنا۔

۵۔ قرآنی اصطلاح میں روزے کا مفہوم کیا ہے؟

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْآنَ

[1] الصحيح البخاري

بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ.[1]

ترجمہ: حلال ہوا تم کو روزہ کی رات میں بے حجاب ہونا اپنی عورتوں سے۔وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہو انکی۔اللہ کو معلوم ہے کہ تم خیانت کرتے تھے اپنی جانوں سے۔سو معاف کیا تم کو اور درگزر کی تم سے پھر ملو اپنی عورتوں سے اور طلب کرو اس کو جو لکھ دیا ہے اللہ نے تمہارے لئے ۔اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ صاف نظر آئے تم کو دھاری سفید صبح کی جدا دھاری سیاہ سے۔ پھر پورا کرو روزہ کو رات تک۔ اور نہ ملو عورتوں سے جب تک کہ تم اعتکاف کرو مسجدوں میں۔ یہ حدیں باندھی ہوئی ہیں اللہ کی سو ان کے نزدیک نہ جاؤ اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے واسطے تاکہ وہ بچتے رہیں۔

فائدہ: طلوع فجر سے لیکر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور نفسانی خواہشات سے روکنے کانام صوم یعنی روزہ ہے۔

٦۔وہ امور جو بحالت روزہ جائز ہیں؟

سر میں تیل ڈالنا، سرمہ لگانا، خوشبو لگانا، مسواک کرنا، ٹوتھ پیسٹ استعمال کرنا، بھول کر کھا پی لینا، انجکشن لگوانا جبکہ وہ نس میں نہ ہو، سانس کے مریضوں کا اِنہیلر [Inhaler] استعمال کرنا، تھوک نگلنا، بوقت مجبوری نمک وغیرہ چکھ لینا، غسل کرنا، خون ٹیسٹ کروانا۔

درجِ ذیل احادیث وآثار بطورِ دلیل کے تحریر کی جاتی ہیں۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

---

[1] سورۃالبقرۃ: 187

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: "إذا نسي فأكل وشرب فليتم صومه فإنما أطعمه الله وسقاه"۔ [1]

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی بھول کر کھائے یا پیئے تو اپنا روزہ پورا کرے اس کو اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے۔

اسی طرح عامر بن ربیعہ سے روایت ہے کہ:

عن عامر بن ربيعة قال: "رأيت رسول الله ﷺ يستاک وهو صائم زاد مسدد ما لا أعد ولا أحصي"۔

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو روزہ کی حالت میں مسواک کرتے ہوئے دیکھا ہے مسدد نے اپنی حدیث میں یہ اضافہ کیا اتنی مرتبہ جس کا میں شمار نہیں کر سکتا۔

نیز ابو بکر بن عبد الرحمٰن بعض اصحابِ رسول ﷺ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

عن أبي بكر بن عبد الرحمن عن رجل من أصحاب النبي ﷺ قال: "رأيت رسول الله ﷺ أمر الناس في سفره عام الفتح بالفطر وقال تقووا لعدوكم وصام رسول الله ﷺ قال أبو بكر قال الذي حدثني لقد رأيت رسول الله ﷺ بالعرج يصب على رأسه الما وهو صام من العطش أو من الحر"۔

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ نے فتح مکہ کے سال دوان سفر لوگوں کو افطار کا حکم دیا اور فرمایا اپنے دشمن کے واسطے قوت حاصل کرو ابو بکر نے کہا کہ اسی شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے آپ کو عرج کے مقام پر روزہ کی حالت میں گرمی (یا

---

[1] صحیح بخاری

پیاس) کی وجہ سے سر پر پانی ڈالتے ہوئے دیکھا۔

مزید یہ کہ عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں:

قال ابن مسعود "إذا كان يوم صوم أحدكم فليصبح دهينا مترجلا". [1]

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی روزہ دار ہو تو اسے تیل، کنگھی کر لینا چاہئیے۔

حسن بصری جو کہ ستّر (70) صحابہ کے شاگرد ہیں فرماتے ہیں:

قال الحسن: "لابأس بالسعوط للصائم إن لم يصل إلى حلقه ويكتحل" [2]

ترجمہ: روزہ دار کے لیے ناک میں دوا ڈال لینے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ حلق تک نہ پہنچے نیز روزہ دار سرمہ لگا سکتا ہے۔

مزید فرماتے ہیں کہ:

"إن دخل حلقه الذباب فلا شيء عليه". [3]

ترجمہ: اگر مکھی روزہ دار کے حلق میں چلی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

قال ابن عباس: "لا بأس أن يتطعم القدر أو الشيء". [4]

ترجمہ: روزہ دار ہنڈیا یا کسی دوسری چیز کا ذائقہ چکھ لے تو کوئی حرج نہیں۔

عطاء بن ابی رباح جو بہت بڑے تابعی ہیں وہ فرماتے ہیں:

قال عطاء: "يبتلع ريقه". [5]

ترجمہ: روزہ دار اپنا تھوک نگل سکتا ہے۔

---

[1] صحيح البخارى، كتاب الصوم، باب إغتسال الصائم

[2] صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم إذا توضأ فليستنشق

[3] صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب الصائم إذا أكل أو شرب ناسيا

[4] صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب اغتسال الصائم

[5] صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب اغتسال الصائم

۷۔ وہ امور جو بحالت روزہ ممنوع ہیں؟

غیبت کرنا، چغلی کرنا، جھوٹ بولنا، رشوت خوری، حرام خوری کرنا، ناک میں پانی ڈالتے ہوئے مبالغہ کرنا، لڑائی جھگڑا کرنا اور شھوانیت کو ابھارنے والی چیزیں۔

اس بارے میں سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال "قال رسول الله ﷺ: من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة في أن يدع طعامه وشرابه"۔[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا ترک نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانا پینا چھوڑ دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔

مزید فرماتے ہیں:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: "قال الله كل عمل ابن آدم له إلا الصيام فإنه لي وأنا أجزي به والصيام جنة وإذا كان يوم صوم أحدكم فلا يرفث ولا يصخب فإن سابه أحد أو قاتله فليقل إني امروء صائم"۔[2]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انسان کے ہر عمل کا بدلہ ہے، مگر روزہ کہ وہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دیتا ہوں اور روزہ ڈھال ہے۔ جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو، تو نہ شور مچائے اور نہ فحش باتیں کرے اگر کوئی شخص اس سے جھگڑا کرے یا گالی گلوچ کرے تو کہہ دے میں روزہ دار آدمی ہوں۔

اسی طرح لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عن لقيط بن صبرة قال: "قلت يا رسول الله أخبرني عن الوضو قال

---

[1] صحيح البخاري

[2] صحيح البخاري

أسبغ الوضو وخلل بين الأصابع وبالغ في الاستنشاق إلا أن تكون صائما"-[1]

ترجمہ: میں نے کہا یارسول اللہ ﷺ مجھے وضو کا طریقہ بتایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھی طرح وضو کرو انگلیوں کا خلال کرو اور اگر روزے سے نہ ہو تو ناک میں بھی اچھی طرح پانی ڈالو۔

۸۔ وہ امور جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

قصداً کھانا یا پینا، قصداً جماع کرنا، قصداً قئے کرنا، حیض و نفاس کا جاری ہونا۔

عن أبي سعيد الخدري قال قال النبى ﷺ: "أليس شهادة المرأة مثل نصف شهادة الرجل قلن بلى قال فذلک من نقصان عقلها أليس إذا حاضت لم تصل ولم تصم قلن بلى قال فذلک من نقصان دينها"-[2]

ترجمہ: ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا ایسا نہیں ہے کہ جب عورت حائضہ ہوتی ہے، تو نہ نماز پڑھ سکتی ہے اور نہ روزہ رکھ سکتی ہے؟ انہوں نے کہاہاں! آپ نے فرمایا بس یہی اس کے دین کا نقصان ہے۔

عن أبي هريرة قال: "قال رسول الله ﷺ من ذرعه قي وهو صائم فليس عليه قضاء وإن استقا فليقض"-[3]

ترجمہ: سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس پر روزہ کی حالت میں قے غلبہ کرے تو اس پر قضاء نہیں ہے (یعنی اس کا روزہ نہیں ٹوٹا) اور جس نے از خود قے کی اس پر قضاء لازم ہے۔

۹۔ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر روزہ توڑدے تو اس کا کفارہ کیا ہے؟

---

[1] سنن الترمذي

[2] صحيح البخاري

[3] سنن ابي داؤد، سنن ابن ماجه

توبہ واستغفار کے ساتھ صرف اس توڑے ہوئے روزے کی قضادے۔

عن سعيد بن المسيب قال : جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم ، فقال : "إني أفطرت يوما من رمضان ، فقال له النبي صلى الله عليه وسلم : تصدق واستغفر الله وصم يوما مكانه"۔[1]

ترجمہ:سعید بن مسیب α فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: میں نے رمضان المبارک کا روزہ توڑ دیا ہے، نبی ﷺ نے اسے فرمایا۔ صدقہ کر، اللہ سے معافی مانگ اور روزے کی قضا ادا کر۔

۱۰۔ دورانِ روزہ اگر کوئی شخص اپنی اہلیہ سے جماع کرے تو اس کا کفارہ کیا ہے؟

عن أبى هريرة رضي الله عنه: "قال بينما نحن جلوس عند النبي ﷺ إذ جاءه رجل فقال يا رسول الله هلكت قال ما لک قال وقعت على امرأتي وأنا صائم فقال رسول الله ﷺ هل تجد رقبة تعتقها قال لا قال فهل تستطيع أن تصوم شهرين متتابعين قال لا فقال فهل تجد إطعام ستين مسكينا قال لا قال فمكث النبي ﷺ فبينا نحن على ذلک أتي النبي ﷺ بعرق فيها تمر والعرق المكتل قال أين السائل فقال أنا قال خذها فتصدق به فقال الرجل أعلى أفقر مني يا رسول الله فوالله ما بين لابتيها يريد الحرتين أهل بيت أفقر من أهل بيتي فضحک النبي ﷺ حتى بدت أنيابه ثم قال أطعمه أهلک" ۔[2]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں تو ہلاک ہو گیا۔ آپ

---

[1] مصنف ابن ابي شيبة، إرواء الغليل للالباني

[2] (صحيح البخاري و صحيح مسلم)

نے دریافت کیا کیا بات ہے؟ اس نے بتایا کہ میں نے اپنی بیوی سے روزہ کی حالت میں جماع کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے پاس کوئی غلام ہے جسے تم آزاد کر سکو؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم دو مہینے متواتر روزے رکھ سکتے ہو اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا کہ کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ نبی ﷺ تھوڑی دیر خاموش رہے ہم اس حال میں تھے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک تھیلا لایا گیا جس میں کھجوریں تھیں اور عرق سے مراد مکتل (ٹوکرا) ہے۔ آپ نے دریافت کیا کہ سوال کرنے والا کہاں ہے؟ اس نے کہا میں ہوں، آپ نے فرمایا اسے لے جا اور خیرات کر دے۔ اس شخص نے پوچھا کیا اس کو دوں جو مجھ سے زیادہ محتاج ہے یا رسول اللہ! مدینہ کے دونوں پتھریلے میدانوں کے درمیان کوئی ایسا گھر نہیں، جو میرے گھر والوں سے زیادہ محتاج ہو، نبی ﷺ ہنس پڑے، یہاں تک کہ آپ کے اگلے دانت کھل اٹھے، پھر آپ نے فرمایا اپنے گھر والوں کو کھلا۔

فائدہ: مذکورہ کفارے کی شرط صرف رمضان کے مہینے کے ساتھ خاص ہے۔ جبکہ قضاءِ رمضان میں اس عمل کے سرزد ہونے پر صرف قضاء ہے کفارہ نہیں۔ جیسا کہ نص حدیث سے واضح ہے۔(بحوالہ تیسیر العلام شرح عمدۃ الأحکام)

۱۱۔ جن افراد کو روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے؟

(۱) مریض (۲) مسافر

"فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ".[1]

ترجمہ: تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اور دنوں میں گنتی کو پورا کر لے۔

(۳) حاملہ (۴) مرضعہ

[1] سورة البقرة: 184

عن أنس بن مالک الکعبی أن رسول الله ﷺ قال: "إن الله وضع عن المسافر الصوم وشطر الصلاة وعن الحبلی والمرضع الصوم"۔[1]

ترجمہ: انس بن مالک کعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مسافر کو روزہ اور آدھی نماز معاف فرمادی اور دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت کو بھی روزہ معاف فرمادیا۔

فائدہ: ان تمام کے لیے قضاء ہے کفارہ نہیں ہے۔

۱۲۔ جو بڑھاپے کے سبب یا دائمی مریض ہونے کے سبب روزہ رکھنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو؟

تو اس بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ".[2]

ترجمہ: اور اس کی طاقت رکھنے والے فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا دیں۔

عن ابن عباس قال:" رخص للشیخ الکبیر أن یفطر ویطعم عن کل یوم مسکینا ولا قضاء علیه"۔[3]

ترجمہ: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کہ بوڑھے آدمی کو روزہ نہ رکھنے کی رخصت دی گئی ہے۔ لیکن وہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو (دو وقت کا) کھانا کھلائے اور اس پر کوئی قضاء نہیں۔

جناب انس جب بوڑھے ہو گئے تو انہوں نے بڑھاپے کے سبب ایک دو سال کے روزہ نہ

---

[1] سنن ابي داؤد، صحیح سنن الترمذي للالبانی: 575

[2] سورة البقرة: 184

[3] سنن الدار قطني

رکھنے پر روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلایا۔[1] ہمیشہ کے بیمار کا بھی یہی حکم ہے، نیز روزہ رکھنے سے جس کی بیماری بڑھنے کا اندیشہ ہو وہ بھی اسی حکم میں داخل ہے۔

فائدہ: ایک ساتھ تیس (30) مسکینوں کو بھی کھانا کھلایا جاسکتا ہے۔

مسئلہ: کفارہ ادا کرنے کی صورت میں صرف راشن دیا جائے۔

۱۳۔ روزہ کا اجر وثواب؟

عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ : "من صام رمضان إيمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه "-[2]

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص رمضان میں ایمان اور ثواب کا کام سمجھ کر روزے رکھے اس کے اگلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

۱۴۔ روزے دار کے لیے عظیم بشارت؟

عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال يقول الله عز وجل الصوم لي وأنا أجزي به يدع شهوته وأكله وشربه من أجلي والصوم جنة وللصائم فرحتان فرحة حين يفطر وفرحة حين يلقى ربه ولخلوف فم الصائم أطيب عند الله من ريح المسک-[3]

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اسکا بدلہ دوں گا، میری وجہ سے وہ اپنی خواہش کو اور کھانے اور پینے کو چھوڑتا ہے، اور روزہ ڈھال ہے اور روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں

---

[1] بخاری کتاب التفسیر

[2] صحيح البخاري

[3] صحيح البخاري

ایک خوشی جس وقت روزہ افطار کرتا ہے اور ایک خوشی جس وقت اپنے رب سے ملاقات کرے گا، اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کو مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے۔

۱۵۔ سحری کرنے کا حکم؟

عن عمرو بن العاص أن رسول الله ﷺ قال فصل ما بين صيامنا وصيام أهل الكتاب أكلة السحر۔[1]

ترجمہ: سیدنا عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہمارے روزے اور اہل کتاب کے روزے کے درمیان سحری کھانے کا فرق ہے۔

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال قال النبي ﷺ :"تسحروا فإن في السحور بركة"۔[2]

ترجمہ: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ سحری کھاؤ اس لیے کہ سحری کھانے میں برکت ہوتی ہے۔

مسئلہ: اگر کسی سبب سے روزہ رکھنے والے کی آنکھ نہ کھلے تو وہ بغیر سحری روزہ رکھ سکتا ہے۔

مسئلہ: روزے کی نیت رات کو کرلینا کافی ہے اس کے لیے زبان سے کوئی الفاظ مسنون نہیں ہے۔

مسئلہ: سحری میں تاخیر کرنا مسنون ہے۔[3]

مسئلہ: اذان کے وقت کچھ کھانے یا پینے کو عادت بنانا صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ: جنبی شخص اگر سحری کے وقت کو تنگ محسوس کرے تو پہلے وہ وضوء کر کے سحری

---

[1] صحيح المسلم

[2] صحيح البخاري

[3] صحیح بخاری

کر لے بعد میں غسل کر لے۔[1]

۱۶۔روزہ افطار کرنے کی دعاء؟

اس بارے میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

عن ابن عمر قال :"كان رسول الله ﷺ إذا أفطر قال ذهب الظمأ وابتلت العروق وثبت الأجر إن شا الله"۔[2]

جب رسول اللہ ﷺ روزہ افطار کرتے تو فرماتے: **"ذَهَبَ الظَّمَأ وَابْتَلَّتْ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ"**۔ترجمہ: پیاس بجھ گئی رگیں تر ہو گئیں اور اجر ثابت ہو گیا اگر اللہ نے چاہا۔

مسئلہ: کھجور سے روزہ افطار کرنا افضل بہتر ہے لیکن کھجور میسر نہ آنے کی صورت میں نمک سے روزہ افطار کرنا مسنون نہیں یہ اہل شیعہ کا طریقہ ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ البتہ کھجور کے میسر نہ ہونے کی صورت میں پانی سے روزہ افطاری کیا جائے۔[3]

مسئلہ: افطار میں جلدی کرنا مسنون ہے۔

جیسا کہ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگ ہمیشہ بھلائی کے ساتھ رہیں گے جب تک افطار میں جلدی کریں گے۔[4]

فائدہ: وقت ہو جانے پر مزید 2، 3 منٹ لیٹ افطار کرنا احتیاط کے نام پر درست نہیں ہے۔

۱۷۔قیام اللیل یعنی تراویح کی فضیلت؟

عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال : "من قام رمضان إيمانا

---

[1] مؤطا إمام مالك

[2] سنن ابي داؤد

[3] صحيح ابن خزيمة، جامع الترمذي، سنن النسائي

[4] صحيح البخاري

واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه "-[1]

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص رمضان میں ایمان اور ثواب کا کام سمجھ کر قیام کرے تو اس کے اگلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

فائدہ: قیام اللیل، تراویح، تہجد اور صلاۃ اللیل یہ تمام ایک ہی نماز کے نام ہیں ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۱۸۔ تعدادِ رکعاتِ تراویح؟

اس بارے میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ:

"كيف كانت صلاة رسول الله ﷺ في رمضان فقالت ما كان رسول الله ﷺ يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة يصلي أربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي أربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي ثلاثا قالت عاشة رضي الله عنها فقلت يا رسول الله أتنام قبل أن توتر قال يا عائشة إن عيني تنامان ولا ينام قلبي-[2]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ ماہ رمضان میں نماز تہجد کس طرح پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا آپ رمضان یا غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے پہلے آپ ﷺ چار رکعت پڑھتے خوب اچھی طرح اور خوب لمبی اس کے بعد آپ ﷺ چار رکعت اور پڑھتے خوب اچھی طرح اور خوب لمبی پھر تین رکعت پڑھتے تھے حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا آپ ﷺ وتر سے پہلے سو جاتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔

---

[1] صحيح البخاري

[2] سنن ابو داؤد

مسئلہ: جناب عمر کے دور خلافت میں ابی بن کعب اور تمیم الداری نے تراویح اور وتر سمیت گیارہ[۱۱] رکعت انکے حکم سے پڑھائی۔ [1]

۱۹۔ افطار کرانے والے کو یہ دعاء دی جائے:

عن أنس بن مالك قال كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا أفطر عند أهل بيت قال" أفطر عندكم الصائمون وأكل طعامكم الأبرار وصلت عليكم الملائكة"۔ [2]

ترجمہ: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کے ہاں روزہ افطار کرتے تو روزہ افطار کرانے والے کو یوں دعا دیتے "**أفطر عندكم الصائمون وأكل طعامكم الأبرار وتنزلت عليكم الملائكة** "روزہ داروں نے تمہارے پاس افطار کیا، تمہارا کھانا نیک لوگوں نے کھایا اور فرشتوں نے تمہارے لیے دعاء کی۔

۲۰۔ لیلۃ القدر کیا ہے؟

رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے ایک رات کو لیلۃ القدر کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ ام المؤمنین ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شب قدر کو رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

۲۱۔ لیلۃ القدر کی فضیلت؟

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۙ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ ؕ﴿۳﴾

---

[1] مؤطا إمام مالك

[2] مسند احمد

ترجمہ:شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

فائدہ:اسی رات قرآن کا نزول ہوا اور اسی رات کی عبادت ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جو شخص شب قدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے کھڑا ہو، اسکے اگلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور جس نے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

۲۲۔ لیلۃ القدر کی خاص دعا؟

عن عائشة قالت قلت يا رسول الله أرأيت إن علمت أي ليلة ليلة القدر ما أقول فيها قال قولي اللهم إنک عفو تحب العفو فاعف عني-[1]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ شب قدر کونسی رات ہے تو کیا دعا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللَّهُمَّ إِنَّکَ عُفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي (یعنی اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو ہی پسند فرماتا ہے۔ پس مجھے معاف فرمادے۔

اعتکاف کسے کہتے ہیں؟

رمضان کے آخری عشرے میں مسجد میں عبادت کی غرض سے ایک جگہ کو متعین کرلینا شرعی اصطلاح میں اعتکاف کہلاتا ہے۔ جیسا کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

كان النبي ﷺ إذا دخل العشر اى العشر الأخيرة من رمضان شد مئزره وأحيا ليله وأيقظ أهله-[2]

ترجمہ:جب آخری عشرہ آجاتا تو نبی ﷺ اپنا تہہ بند مضبوط باندھتے (بہت زیادہ

[1] جامع الترمذي، سنن ابن ماجه

[2] متفق عليه

مستعد ہو جاتے) رات کو خود جاگتے اور گھر والوں کو بھی جگاتے۔

نیز فرماتی ہیں کہ: "اذا أراد أن يعتكف صلى الفجر ثم دخل معتكفه"۔ [1]

ترجمہ: اگر رسول اللہ اعتکاف کا ارادہ فرماتے تو نمازِ فجر پڑھنے کے بعد اپنی اعتکاف کی جگہ داخل ہو جاتے۔

مسئلہ: 21ویں شب مسجد میں گزارنی چاہئیے۔ اور اعتکاف کرنے والے کو سورج غروب ہونے سے پہلے مسجد میں آجانا چاہیے۔

معتکف کے لئے کون سے امور جائز ہیں؟

اس بارے میں عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

"إن كان رسول الله ﷺ ليدخل على رأسه، وهو في المسجد، فأرجلّه" -

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف میں ہوتے تو اپنا سر مبارک میری جانب نکالتے اور میں انہیں کنگھی کرتی۔

یعنی اپنا سر میری طرف حجرے میں کرتے اور خود مسجد میں ہوتے تو میں آپ کو کنگی کرتی۔ نیز فرماتی ہیں آپ حوائج ضروریہ کیلئے گھر تشریف لاتے۔ مثلا: مکہ و مدینہ میں اعتکاف کرنے والے فقہاء حاجت کیلئے کھانے وغیرہ کیلئے مسجد سے باہر جاتے ہیں۔

معتکف کیلئے کونسے امور ناجائز ہیں۔

اس بارے میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں: عن عائشة أنها قالت السنة على المعتكف أن لا يعود مريضا ولا يشهد جنازة ولا يمس امرأة ولا يباشرها

[1] متفق عليه

ولا يخرج لحاجة إلاّ لما لا بد منه ولا اعتكاف إلاّ بصوم ولا اعتكاف إلاّ في مسجد جامع.[1]

یعنی وہ نہ تو مریض کی عیادت کر سکتا ہے نہ ہی جنازہ میں جا سکتا ہے نہ ہی ازدواجی تعلقات اس کے لئے جائز ہیں، اور کسی حاجت کیلئے بھی نہیں نکل سکتا سوائے اس کے جو انتہائی ضروری ہو ۔ اور روزے کے بغیر اعتکاف نہیں اور جامع مسجد کے علاوہ اعتکاف نہیں۔

اعتکاف کا اجر وثواب:

کے سلسلہ میں بعض روایات نقل کی جاتی ہیں۔

جن میں سنداً کلام ہے۔ البتہ معتکف جن اعمالِ خیر سے یا سبب اعتکاف محروم ہوتا ہے۔ ان تمام اعمال کا اسے اجر دیا جاتا ہے۔

اعتکاف صرف مسجد میں ہوتا ہے۔ اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وانتم عاکفون فی المساجد۔

خواتین بھی اعتکاف کر سکتی ہیں۔ اور وہ بھی مسجد ہی میں ہو گا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج مطہرات نے کیا۔

البتہ صحیح بخاری میں اعتکاف صرف تین مساجد میں کرنا چاہئے اس روایت کی سند صحیح نہیں۔ البتہ زیادتی ثواب کے لئے تین مسجدوں کے علاوہ کسی میں اعتکاف کرنا درست نہیں ہے۔ مسجد حرام مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔

اعتکاف کے فوائد:

(۱) گناہوں سے کلی اجتناب کا موقع ملنا۔

(۲) ہمہ وقت عبادت کا موقع میسر آنا۔

---

[1] سنن أبي داؤد

(۳)لیلۃ القدر کا یقینی حصول

مسائل صدقۃ الفطر

اس بارے میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ایک روایت میں کافی تفصیل موجود ہے۔وہ فرماتے ہیں : فرض رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم زكاة الفطر ، صاعا من شعير على العبد والحر والذكر والأنثىٰ والصغير والكبير من المسلمين وأمر بها أن تؤدى قبل خروج الناس الى الصلاة ۔ '' (متفق علیہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا۔

(۱) صدقۃ الفطر کا حکم وجوب کا ہے۔

(۲) ہر مسلمان کی طرف سے ادا کیا جائے گا۔چاہے وہ عاقل ہو یا غیر عاقل۔بالغ ہو یا غیر بالغ،مرد ہو یا عورت،غلام ہو یا آزاد۔

(۳)اس کی مقدار ایک صاع یعنی اڑھائی کلو کے بقدر ہے۔

(۴) جو اجناس خوراک کے طور پر زیادہ استعمال میں رہی ہو اس سے ادا کرنا کی جنس کا اہتمام کرنا افضل و بہتر ہے۔

(۵)نمازِ عید سے قبل ادا کیا جائے۔

اس کی حکمت بعض روایات میں اس طرح بیان ہوئی ہے ۔ طهرة للصائم وطعمة للمساكين -

اعتذار

گذشتہ شمارے میں غلطی سے ڈاکٹر عبد الرشید اظہر رحمہ اللہ کی حیات وخدمات سے متعلق مضمون کا ایک صفحہ (نمبر 188) ساقط ہوگیا تھا۔ جس کے لئے ہم قارئین سے انتہائی معذرت خواہ ہیں۔اور اب آپ یہ مکمل مضمون ہماری سے ڈاؤن لوڈ کرسکتے ہیں.

عورت اعتکاف کہاں کرے؟

فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

زیرِ نظر مضمون فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے ۲۰۰۲ میں ہفت روزہ اعتصام میں لکھا تھا۔ موضوع کی افادیت کے پیش نظر اور شیخ حفظہ اللہ کی خصوصی اجازت سے ادارۃُ العلوم الاثریہ کی جانب سے شائع کئے جانے والے آپ کے مجموعہ ''مقالات'' سے اخذ کرکے البیان میں شائع کیا جارہاہے۔(ادارہ)

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله أما بعد :

رمضان المبارک کے آخری دس دنوں کا اعتکاف مسنون ہے اور اللہ تعالیٰ کی قربت کا ذریعہ ہے۔ مرد اور عورت دونوں کیلئے مشروع ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ عورت اعتکاف کہاں کرے؟ امام شافعی، امام احمد، امام مالک، اور امام ابوداؤد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ عورت مسجد ہی میں اعتکاف کرے گھر میں اعتکاف درست نہیں۔ البتہ ان کے نزدیک عورت کے اعتکاف کے لئے مسجد جامع شرط نہیں کیونکہ جمعہ اور جماعت عورت پر لازم نہیں۔ جب کہ امام ابو حنیفہ اور امام سفیان ثوری رحمہا اللہ فرماتے ہیں کہ عورت گھر کی مسجد میں اعتکاف کرے۔ محلّہ کی مسجد میں اعتکاف نہ کرے۔

مگر اس میں امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کا موقف راجح اور درست ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اعتکاف کے لئے { وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ }[1]

فرمایاہے کہ مسجدوں میں اعتکاف کی حالت میں تم اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرو۔ یہ حکم

---

[1] : البقرة: 187

عام ہے جو مرد و عورت دونوں کو مشتمل ہے کہ اعتکاف کا تعلق مسجد سے ہے۔ خارج مسجد سے نہیں۔ گھر میں جو عموماً مسجد ہوتی ہے وہ مجازاً مسجد ہے۔ اس پر مسجد کے تمام احکام و مسائل عائد نہیں ہوتے۔ صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے اعتکاف کی اجازت طلب کی تو آپ نے انہیں اجازت دے دی انہوں نے اپنا خیمہ مسجد میں اعتکاف کے لئے بنایا۔ اگر عورت کے لئے مسجد محلِ اعتکاف نہ ہوتی تو آپ قطعاً اجازت نہ دیتے۔

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ اسی بنا پر فرماتے ہیں: '' لولا أن ابن عيينة زاد فى الحديث أي حديث الباب أنهن استأذن النبي ﷺ فى الإعتكاف لقطعت بأن اعتكاف المرأة فى مسجد الجماعة غير جائز ''۔ [1]

''اگر امام ابن عیینہ رحمہ اللہ اس حدیث میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے اعتکاف کے لئے اجازت طلب کرنے کا ذکر نہ کرتے تو میں قطعی طور پر کہتا کہ عورت کے لئے مسجد میں اعتکاف جائز نہیں۔''

ازواجِ مطہرات کا یہ اعتکاف نبی اکرم ﷺ کی معیت ہی میں نہ تھا بلکہ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے کہ: " ثم إعتكف أزواجه من بعده ". کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد ازواجِ مطہرات اعتکاف کرتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ جہاں وہ آپ کی زندگی میں اعتکاف کرتی تھیں آپ کے بعد بھی ان کا وہیں اعتکاف ہوتا تھا۔ گھر میں ان سے اعتکاف قطعاً ثابت نہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ گو فرماتے ہیں کہ عورت جامع مسجد میں اعتکاف نہ کرے بلکہ گھر کی مسجد میں اعتکاف کرے مگر اس سے ان کی مراد افضلیت کا بیان ہے۔ حرمت یا کراہتِ تحریمی قطعاً مراد نہیں۔ چنانچہ علامہ علاء الدین کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "وروى الحسن عن أبي حنيفة أن للمرأة أن تعتكف في مسجد الجماعة وإن شاءت اعتكفت في مسجد بيتها ومسجد بيتها أفضل لها من مسجد حيها ومسجد حيها أفضل لها

[1] فتح الباری ص 275 ، ج 4

من المسجد الأعظم وهذا لا يوجب اختلاف الروايات بل يجوز اعتكافها في مسجد الجماعة عن الروايتين جميعاً بلا خلاف بين أصحابنا والمذكور في الأصل محمول على نفي الفضيلة لا على نفي الجواز توفيقاً بين الروايتين ..."الخ .[1]

"کہ حسن بن زید نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے یہ نقل کیا ہے کہ عورت کو چاہئے کہ وہ مسجد جماعۃ میں اعتکاف کرے اور اگر چاہے اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرے، گھر کی مسجد میں اعتکاف کرنا اس کے لئے افضل ہے محلّہ کی مسجد سے، اور محلّہ کی مسجد میں اعتکاف کرنا بڑی مسجد میں اعتکاف کرنے سے افضل ہے۔ امام صاحب سے مروی دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ ہمارے اصحاب کے مابین بلا اختلاف دونوں روایتوں سے محلّہ کی مسجد میں اعتکاف جائز ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب الاصل میں جو کچھ ہے وہ فضیلت کی نفی پر محمول ہے جواز کی نفی پر نہیں۔ یہ دنوں روایتوں میں تطبیق کی یہی صورت ہے"۔

امام ابن ہمام رحمہ اللہ بھی صاحبِ ہدایہ کے قول " أما المرأة فتعتكف فى مسجد بيتها " کہ عورت اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرے۔ کی تشریح وتوضیح میں لکھتے ہیں : " أي الأفضل ذلک ولو اعتكفت في الجامع أو في مسجد حيهاوهو أفضل من الجامع فى حقها جاز وهو مكروه ذكر الكراهة قاضي خان ".[2]

"کہ اپنے گھر کی مسجد میں عورت کا اعتکاف افضل ہے اور اگر جامع مسجد میں یا محلّہ کی مسجد میں اعتکاف کرتی ہے تو یہ جائز ہے اور محلّہ کی مسجد میں اعتکاف اس کے لئے افضل ہے، جامع مسجد میں اعتکاف کرنے سے اور کراہت کا ذکر قاضی خاں نے کیا ہے"۔

گویا محلّہ کی مسجد میں یا جامع مسجد میں کراہت کا قول قاضی خاں کا ذکر کردہ ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ یا ان کے تلامذہ سے اس کا ثبوت نہیں۔ قاضی خاں یا بعض دیگر حضرات نے عورت

---

[1] بدائع الصنائع ص 1066 ج 3

[2] فتح القدير ص 109 ج 2

کے لئے مسجد میں اعتکاف کو تو مکروہ لکھا ہے مگر علامہ شامی رحمہ اللہ نے یہ وضاحت فرمادی ہے کہ " أي تنزيها "کہ یہ کراہتِ تنزیہی ہے۔ تحریمی نہیں۔[1]

اگر تحریمی مراد ہوتی تو اس کا جواز کسی اعتبار سے بھی درست نہ ہوتا۔ محیط السرخسی کے حوالہ سے منقول ہے۔" ولو اعتكفت في مسجد الجماعة جاز ويكره " .[2]

"کہ اگر عورت جامع مسجد میں اعتکاف کرے تو جائز ہے اور مکروہ ہے"۔

گویا علامہ شمس الدین السرخسی نے بھی اسے جواز مع الکراہت قرار دیا ہے، اس کے بعد عالمگیری کے مرتبین نے مزید اس کی وضاحت کردی ہے کہ "والأول أفضل ومسجد حيها أفضل لهامن المسجد الأعظم" کہ اول یعنی گھر کی مسجد میں عورت کے لئے اعتکاف افضل ہے اور محلّہ کی مسجد میں اعتکاف جامع مسجد میں اعتکاف کرنے سے افضل ہے۔

اسی طرح فتاویٰ التاتار خانیہ میں ہے۔:" ولا تعتكف المرأة في مسجد جماعة في ظاهر الرواية وعن أبى حنيفة إن شاءت اعتكفت في مسجد بيتها وإن شاءت في مسجد جماعة إلا أن مسجد بيتها أفضل من مسجد حيها ومسجد حيها أفضل من المسجد الأعظم ولا تعتكف في بيتها في غير مسجد "-[3]

" ظاہر الروایہ میں ہے کہ عورت جامع مسجد میں اعتکاف نہ کرے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے کہ عورت اگر چاہے تو گھر کی مسجد میں اعتکاف کرے اور اگر چاہے تو مسجد جماعۃ میں اعتکاف کرے۔ البتہ اس کے گھر کی مسجد اس کے محلّہ کی مسجد سے، اور محلّہ کی مسجد بڑی مسجد سے افضل ہے اور وہ مسجد کے علاوہ گھر میں کسی دوسری جگہ اعتکاف نہ کرے۔"

اسی طرح مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔"يستحب لهاأن تعتكف في مسجد

---

[1] رد المحتار ص 441 ص 2

[2] فتاوی عالمگیری ص 311ج 1

[3] التاتار خانية ص 411 ج 4

بيتها لأنه أبعد عن الفتنة ومبنى حالها على الستر فلو اعتكفت فى مسجد جماعة فى خباء ضرب لها فيه لا بأس به لثبوت ذلک عن أزواج النبى ﷺ في عهده كما ثبت ذلک فی صحيح البخاري ". [1]

”کہ عورت کے لئے مستحب ہے کہ وہ اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرے کیونکہ یہ فتنہ سے محفوظ رہنے اور اس کی حالت ستر کے لئے یہی مناسب ہے۔ لیکن اگر وہ جامع مسجد میں اپنے خیمہ کے اندر اعتکاف کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ ازواج مطہرات سے نبی اکرم ﷺ کے دور میں یہ ثابت ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔“

علمائے احناف کی ان تصریحات سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک گھر کی مسجد میں اعتکاف کرنا افضل ہے۔ رہا محلّے کی مسجد یا جامع مسجد میں اعتکاف تو وہ ان کے ہاں بھی ناجائز نہیں، بلکہ جائز ہے زیادہ سے زیادہ گھر سے باہر کی مسجد میں اعتکاف مکروہ تنزیہی ہے۔

قابل غور یہ بات ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے متبعین نے مطلقاً گھر میں اعتکاف کی نہیں بلکہ گھر کی مسجد میں اعتکاف کی اجازت دی ہے۔ جیسا کہ التاتار خانیہ کے حوالہ سے آپ پڑھ آئے ہیں۔ علامہ کاسانی رحمہ اللہ بھی رقمطراز ہیں:

" وليس لها أن تعتكف في بيتها في غير مسجد وهو الموضع المعد للصلاة لأنه ليس لغير ذلك الموضع من بيتها حكم المسجد فلا يجوز اعتكافها فيه ". [2]

” اس کے لئے درست نہیں کہ وہ مسجد کے علاوہ گھر کی کسی جگہ میں اعتکاف کرے اور اس مسجد سے مراد وہ جگہ ہے جو نماز کے لئے مقرر کی گئی ہو۔ کیونکہ اس کے علاوہ گھر میں جو جگہ ہے اس کا حکم مسجد کا نہیں، اس لئے اس میں اعتکاف جائز نہیں“۔

---

[1] عمدة الرعاية ص 322 ج 1

[2] بدائع ص 1067 ج 3

علمائے احناف نے اعتکاف کو نماز پر قیاس کیا ہے کہ جیسے عورتوں کیلئے مسجد کی بجائے گھر میں نماز پڑھنا بہتر اور افضل ہے ۔ اسی طرح اعتکاف بھی گھر میں افضل ہے ۔ حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے مطلقاً '' بیوتهن خير لهن ''کہ عورتوں کے لئے ان کے گھر بہتر ہیں، فرمایا ہے۔ سیدہ ام حمید کی روایت میں ہے۔

"وصلاتك في بيتك خير من صلاتك في حجرتك وصلاتك في حجرتك خير من صلاتك في دارك وصلاتك في دارك خير من صلاتك في مسجد قومك وصلاتك في مسجد قومك خير من صلاتك في مسجدي ". [1]

''کہ تیری نماز تیرے گھر کے اندر کمرے میں بہتر ہے، تیرے حجرے میں پڑھنے سے اور تیری نماز تیرے حجرے میں (یعنی صحن یابر آمدہ) میں بہتر ہے تیرے گھر میں پڑھنے سے اور تیری نماز تیرے گھر یعنی چار دیواری میں بہتر ہے تیری قوم کی مسجد میں نماز پڑھنے سے اور تیری قوم کی مسجد میں تیری نماز بہتر ہے میری مسجد میں نماز پڑھنے سے۔''

جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عورت کے لئے اصل ستر اور پردے کی بناپر گھر میں نماز پڑھنے کو افضل قرار دیا گیاہے اور اس میں بھی کمرے کے اندر، پھر بر آمدہ یا صحن، پھر پورے گھر کی چار دیواری میں نماز پڑھنے کو علی حسب التستر افضل قرار دیاہے۔ اس میں گھر کی مسجد مراد نہیں۔ لیکن اعتکاف کے لئے جو خود علمائے احناف نے گھر کی مسجد کو مخصوص کیا ہے یہ کس دلیل کی بنا پر ہے ۔ ؟ اگر یہ دلیل{ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ }ہے تو اعتکاف کے لئے مسجد بہر نوع مشروط ٹھہری۔ گھر اس سے خارج ہو گیا۔ جب کہ مقیس علیہ (یعنی نماز) میں تو اس کے لئے گھر کی مسجد کو نہیں بلکہ مطلقاً گھر کو بہتر قرار دیا اور وہ بھی اسی تفصیل سے کہ کمرے میں نماز سب سے بہتر ہے۔ اس سے کم صحن میں اس سے کمتر گھر کی چار دیواری میں اور اسی طرح اعتکاف میں بھی عورت کے تستر اور فتنہ سے محفوظ رہنے کے لئے

---

[1] مسند أحمد ص 371 ج 6 و.غيره

یہی تفصیل ملحوظ کیوں نہیں صرف گھر کی مسجد ہی مخصوص کیوں ہے ؟ اور یہ بات تو اپنی جگہ بالکل واضح ہے کہ گھر میں نماز کے لئے جو جگہ مخصوص کرلی جائے وہ حقیقتاً مسجد نہیں اور نہ ہی مسجد کے تمام احکام اس پر عائد ہوتے ہیں۔ ورنہ اس کا فروخت کرنا اور کسی اور تصرف میں اس کا استعمال بہر حال ناجائز ٹھہرے گا۔ جب مسجد کے احکام گھر کی مسجد کو شامل نہیں تو { وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ } کے مطابق گھر کی مسجد میں اعتکاف کرنے والی سے مباشرت کی ممانعت کس طرح شامل ہے ؟ گھر کی مسجد کے متعلق بعض احکام کو مسجد سے مختص کرنا اور بعض کو مستثنیٰ قرار دینا کس دلیل پر مبنی ہے ؟۔

علاوہ ازیں اعتکاف کو نماز پر قیاس کرکے عورت کیلئے گھر کی مسجد میں اعتکاف کا حکم اس لئے بھی محل نظر ہے کہ مردوں کے لئے بھی نفلی نماز گھر میں ہی افضل قرار دی گئی ہے۔ حالانکہ ان کے لئے گھر میں اعتکاف سوائے محمد بن لبابہ مالکی کے کسی نے بھی جائز قرار نہیں دیا۔ اعتکاف رمضان بھی تو نفلی عبادت ہے۔ فرض یا واجب بہر حال نہیں۔ نماز پر قیاس کا تقاضا ہے کہ مردوں کے لئے بھی گھروں میں اعتکاف کی اجازت دی جائے ۔ مگر جب نبی اکرم ﷺ نے مسجد ہی میں اعتکاف کیا ور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بھی اعتکاف اور مسجد کا ذکر فرمایا تو ازواج مطہرات نے بھی مسجد ہی میں اعتکاف کیا اور کسی صحابیہ سے گھر میں اعتکاف ثابت بھی نہیں تو یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ عورتوں کو بھی مسجد ہی میں اعتکاف کرنا چاہئے۔ جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا ہے۔ لہذا مسجد میں اعتکاف پر انکار اور اسے ناجائز وحرام قرار دینا قطعاً درست نہیں۔

خیر القرون میں عورتیں اعتکاف کرتی تھیں۔ یوں نہیں کہ اعتکاف امہات المومنین رضی اللہ عنہن کا ہی خاصہ ہے۔ جناب طاوس رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ایک عورت فوت ہوگئی جب کہ اس نے نذر مانی تھی کہ مسجد حرام میں سال بھر اعتکاف کرے گی۔ تو انہوں نے اس کے

بیٹوں کو اس کی طرف سے اعتکاف کرنے کا فتویٰ دیا۔ [1]

امام عطاء بن اَبی رباح اور امام زہری رحمہا اللہ سے فتویٰ پوچھا گیا کہ اعتکاف میں بیٹھی عورت کو حیض آجائے تو وہ کیا کرے انہوں نے فرمایا: " رجعت إلى بيتها ". اپنے گھر چلی جائے جب حیض سے فارغ ہو جایئے تو اپنے اعتکاف میں لوٹ آئے۔ [2]

جبکہ ابو قلابہ فرماتے ہیں کہ وہ عورت مسجد کے دروازے پر خیمہ سا بنا لے، ان کے الفاظ ہیں

"المعتكفة تضرب ثيابها على باب المسجد إذا حاضت ". [3]

ان آثار اور تابعین کرام کے فتاوی سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں مسجد میں اعتکاف کرتی تھیں۔ تبھی تو حیض کی صورت میں چلے جانے یا مسجد کے باہر دروازہ پر خیمہ سا بنا لینے کا فتوی دیا گیا۔ گھر ہی میں اعتکاف تھا تو یہ فتوی بے محل اور بے معنی ہے۔

علامہ نووی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور اسی باب کی دیگر احادیث کے حوالے سے رقمطراز ہیں۔

"وفي هذه الأحاديث أن الإعتكاف لا يصح إلا في المسجد لأن النبي صلى الله عليه وسلم وأزواجه وأصحابه إنما إعتكفوا في المسجد مع المشقة في ملازمته فلو جازفي البيت لفعلوه ولو مرة لا سيما النساء لأن حاجتهن إليه في البيوت أكثر وهذا الذي ذكرناه من اختصاصه بالمسجد وأنه لا يصح في غيره وهو مذهب مالك والشافعي وأحمد وداؤد والجمهور سواء الرجل والمراة . " [4]

" ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اعتکاف صرف مسجد ہی میں صحیح ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج مطہرات اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین مشقت کے باوجود مسجد ہی میں اعتکاف کرتے تھے۔ اگر گھر میں اعتکاف جائز ہوتا تو وہ گھر میں بھی

---

[1] ابن أبي شيبة،(ص 93 ، ج 3)

[2] مصنف عبد الرزاق (ص 368، 369 ج 3)

[3] ابن أبي شيبة ص 94 ج 3

[4] شرح مسلم ص 372 ج 1

اعتکاف کرتے اگرچہ ایک بار ہی سہی۔ بالخصوص عورتیں کیونکہ ان کی ضروریات گھر سے زیادہ وابستہ ہیں اور یہ جو ہم نے اعتکاف کے لئے مسجد کو مختص کیا ہے اور کہا ہے کہ مسجد کے علاوہ اعتکاف جائز نہیں یہ مذہب امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اما داؤد اور جمہور کا ہے اور اس میں مرد و عورت سب برابر ہیں۔"

اسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے تحت لکھتے ہیں: " هذ الحديث دليل لصحة اعتكاف النساء لانه صلى الله عليه وسلم كان أذن لهن وإنما منعهن بعد ذلك لعارض ".[1]

" اس حدیث میں دلیل ہے کہ عورتوں کا اعتکاف درست ہے کیونکہ آپ نے انہیں اس کی اجازت دی اور جو منع فرمایا وہ عارضہ کی بنا پر تھا۔"

لہذا اعتکاف کا حکم ازواج مطہرات کے لئے خاص نہیں بلکہ عام ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں جو یہ الفاظ منقول ہیں کہ :"ثم إعتكف أزواجه من بعده ." آپ کے بعد ازواج مطہرات نے اعتکاف کیا"۔ علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے خواہ مخواہ اس کے بارے میں کہہ دیا کہ ان کا یہ اعتکاف گھروں میں تھا۔[2]

علامہ شبیر احمد عثمانی ان کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں "لاشک أنه خلاف الظاهر" [3] کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بات ظاہر حدیث کے مخالف ہے۔ لہذا جب ازواج مطہرات نے نبی کریم ﷺ کے بعد بھی مسجد ہی میں اعتکاف کیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ممانعت کا سبب کوئی اور تھا جیسا کہ علامہ نووی رحمہ اللہ وغیرہ نے کہا ہے اور ازواج مطہرات کے لئے خصوصیت کا دعوی بلا دلیل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جو سیدہ عائشہ اور سیدہ حفصہ

---

[1] شرح مسلم ص 372 ج 1
[2] مرقاۃ ص 326 ج 4
[3] فتح الملهم ص 198 ج 3

رضی اللہ عنہما کو اعتکاف کی اجازت دی۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ اس کے متعلق علامہ ابو بکر رازی نے کہاہے کہ یہ اجازت گھروں میں اعتکاف کے متعلق تھی۔[1]

حالانکہ اگر یہ اجازت گھروں میں اعتکاف کے بارے میں تھی اور مسجد میں اعتکاف ان کے لئے جائز نہ تھاتو نبی کریم ﷺ کے بعد ان کا مسجد میں اعتکاف کرنااور کسی بھی صحابی کا اس پر اعتراض نہ کرنا چہ معنی دارد؟ اندازہ کیجئے مسلک کی کورانہ حمایت میں کن کن تاٴویلات کا سہارا لیا گیاہے۔ علامہ الزبیدی حنفی فرماتے ہیں: "ثم لا شك في أن إعتكافه صلى الله عليه وسلم كان في مسجده وكذا اعتكاف أزواجه فأخذ منه اختصاص الإعتكاف بالمساجد وأنه لا يجوز في مسجد البيت وهو الموضع المهيّأ للصلاة فيه لا في حق الرجل ولا في حق المرأة إذ لو جاز في البيت لفعلوه ولو مرة لما في ملازمة المسجد من المشقة لا سيما في حق النساء "[2]

" پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی ﷺ اور اسی طرح آپ کی ازواج مطہرات کا اعتکاف مسجد میں ہوتا تھا۔ اسی سے اعتکاف کو مسجد کے ساتھ مختص کیا گیاہے۔ گھر کی مسجد میں مرد وعورت کے لئے وہ جائز نہیں اور گھر کی مسجد سے مراد وہ جگہ ہے جو نماز کے لئے بنائی گئی ہو۔ اگر گھر میں جائز ہوتا تو وہ گھر میں بھی اعتکاف کرتے اگرچہ ایک مرتبہ ہی سہی کیونکہ مسجد میں ٹھرنا بالخصوص عورتوں کے لئے مشقت ہے۔"

لہذا مشقت کے باوجود کبھی بھی ازواج مطہرات نے گھر میں اعتکاف نہیں کیا۔ نہ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں اور نہ ہی آپ کے بعد تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں کا گھر میں اعتکاف درست نہیں۔ علامہ زبیدی رحمہ اللہ حنفی مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "والذي في كتب أصحابنا المرأة تعتكف في مسجد بيتها ولواعتكفت في

---

[1] أحكام القرآن ص 278 ج 1

[2] فتح الملهم ص 197 ج 3

مسجد الجماعة جاز والأول أفضل ومسجد حيها أفضل لها عن المسجد الأعظم وليس لها أن تعتكف غير موضع صلاتها من بيتها وإن لم يكن فيه مسجد لا يجوز لها الإعتكاف فيه " . [1]

" ہمارے اصحاب کی کتابوں میں ہے کہ عورت اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرے اور اگر محلّہ کی مسجد میں اعتکاف کرے تو یہ جائز ہے مگر گھر کی مسجد میں اعتکاف افضل ہے اور محلّہ کی مسجد میں اس کے لئے اعتکاف افضل ہے بڑی مسجد میں اعتکاف کرنے سے ، اور اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنے گھر میں ایسی جگہ اعتکاف کرے جہاں وہ نماز نہیں پڑھتی ۔ اور اگر گھر میں نماز پڑھنے کے لئے کوئی جگہ نہیں بنائی تو اس کے لئے اعتکاف جائز نہیں ۔"

علامہ زبیدی رحمہ اللہ نے جو کچھ فرمایا وہ تقریباً وہی ہے جو علامہ کاسانی رحمہ اللہ وغیرہ کے حوالہ سے ہم نقل کر آئے ہیں ۔ قابل غور یہ بات ہے کہ اگر مسجد میں عورتوں کا اعتکاف ناجائز یا منسوخ ہے یا مسجد میں اس کا جواز صرف ازواج مطہرات کا خاصہ تھا تو محلّہ کی مسجد میں ان کے لئے اعتکاف کا جواز اور جامع مسجد کی نسبت محلّہ کی مسجد میں ان کے لئے اعتکاف کے افضل ہونے کا یہ فتویٰ کس دلیل کی بنا پر ہے ؟ مزید یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ علمائے احناف نے (بيوتهن خير لهن) کے فرمان نبوی ﷺ کی بنیاد پر نماز پر قیاس کرتے ہوئے عورتوں کے لئے گھر کی مسجد میں اعتکاف کا موقف اختیار کیا ہے ۔ جبکہ نبی کریم ﷺ نے عورتوں کی نماز گھر میں بہتر قرار دینے کے باوجود ارشاد فرمایا : " **لا تمنعوا نساء کم المساجد** ۔" کہ عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو ۔ اور یہ الفاظ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں مشترک ہیں ۔ " **لا تمنعوا نساءكم المساجد وبيوتهن خير لهن** ۔ " [2]

---

[1] فتح الملهم ص 197 ، 198 ج 3

[2] سنن أبي داؤد

بخاری ومسلم کے الفاظ ہیں:”اذا ستأذنت امرأة أحدكم الى المسجد فلا يمنعها۔“ کہ جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد میں آنے کی اجازت طلب کرے تو اسے منع نہ کرو۔ لہذا جب عورت کے لئے گھر بہتر قرار دینے کے ساتھ ساتھ آپ نے اسے نماز کے لئے مسجد میں آنے کی اجازت دی اور ممانعت سے روک دیا تو کم از کم اعتکاف کے لئے بھی مسجد میں بیٹھنے کی اجازت ہی ہونی چاہئے ، اور مسجد میں اس کے اعتکاف کی ممانعت کی جسارت نہیں کرنی چاہئے جیسا کہ علامہ کاسانی رحمہ اللہ وغیرہ نے حنفی مسلک کی وضاحت کی ہے۔ لیکن احناف کے نزدیک عورتوں کو مسجد میں نماز پڑھنے کی بھی اجازت نہیں۔ اس سلسلے میں متأخرین ومتقدمین احناف کی آراء مختلف ہیں اور اس سلسلے کی تفصیلات بڑی تعجب ناک بلکہ مضحکہ خیز ہیں۔ جس کی یہاں گنجائش نہیں۔ مگر دیکھا آپ نے کہ عورتوں کو مسجد میں نماز کے لئے ممانعت کرنے کے باوجود حنفی مذہب میں انہیں محلّہ کی مسجد میں اعتکاف کی اجازت دی گئی اور اسے جامع مسجد میں اعتکاف کرنے سے افضل قرار دیا گیا۔ جس سے عورتوں کے لئے مسجد میں اعتکاف کے موقف ہی کی تائید ہوتی ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے مسلک کی حقانیت واضح ہو جاتی ہے۔

الاعتصام ۲۲نومبر ۲۰۰۲

انتقالِ پر ملال

گذشتہ دنوں شہر کراچی کے معروف داعی اور مبلغ مولانا عبد اللطیف ارشد رحمہ اللہ جہانِ فانی سے رخصت ہوگئے۔إنا لله وإنا إليه راجعون

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کی تمام کابینہ دعاگو ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں غریقِ رحمت کرے ،فردوس الأعلیٰ میں مقام نصیب فرمائے۔ اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

(ادارہ)

احکام و مسائل

زکوٰۃ
فرضیت، مصارف اور مسائل

عثمان صفدر [1]

زکوٰۃ کی تعریف

عربی زبان میں زکوٰۃ کے دو معنی ہیں:

(1) بڑھنا اور اضافہ ہونا۔

(2) پاکیزہ کرنا، صاف ستھرا کرنا۔[2]

شریعت اسلامی میں زکوٰۃ کا معنی:

خاص اموال میں جب وہ نصاب تک پہنچ جائے مخصوص حصہ نکال کر مخصوص مستحقین تک پہنچانا۔

زکوٰۃ کی فرضیت واہمیت

زکوٰۃ ہر ذی حیثیت، صاحب نصاب مسلمان پر فرض ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: {وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ}[3]

ترجمہ:" اور نمازوں کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

---

[1] فاضل مدینہ یونیورسٹی، چیئرمین المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

[2] لسان العرب (زکوٰۃ)

[3] البقرۃ: 43

قرآن میں صرف زکاۃ کا حکم دس مرتبہ اور نماز کے ساتھ اس کا حکم 26 مرتبہ آیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرتے وقت فرمایا تھا: "انہیں اس بات کا بھی علم دینا کہ اللہ تعالی نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لے کر ان کے غریبوں میں تقسیم کی جائے گی"۔ [1]

فرضیت زکوٰۃ کی حکمتیں اور فوائد

زکوٰۃ کی صحیح طور پر ادائیگی کے معاشرہ، اور ادا کرنے والے شخص کے نفس اور مال پر بہت اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں جن میں چند درج ذیل ہیں:

(1) زکوٰۃ مال میں اضافہ کا سبب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: {وَمَآ آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ} [2]

ترجمہ: " اور جو کچھ صدقہ زکوٰۃ تم اللہ تعالیٰ کا منہ دیکھنے (اور خوشنودی کے لئے) دو تو ایسے لوگ ہی ہیں اپنا دوچند کرنے والے ہیں"۔

(2) انسان کے نفس اور مال کی پاکیزگی کا باعث ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: {خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا} [3]

ترجمہ: "آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے، جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کردیں اور ان کے لئے دعا کیجئے"۔

(3) غریبوں کے دل سے امراء کے خلاف حقد و حسد کے جذبات ختم کرنے کا سبب ہے۔

(4) معاشرہ میں تعاون اور ہمدردی کے جذبات پروان چڑھانے میں معاون ہے۔

---

[1] البخاري (1331) صحيح مسلم (19)

[2] الروم: **39**

[3] التوبة: 103

(5) حصول رحمت کا سبب ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: {وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ} [1]

ترجمہ:"اور میری رحمت تمام اشیاء پر محیط ہے تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں"۔

(6) نصرتِ الٰہی کا سبب ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: {وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ (٤٠) الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ} [2]

ترجمہ:"جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا بڑے غلبے والا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نمازیں قائم کریں اور زکوۃ دیں"۔

زکوۃ ادا نہ کرنے کا حکم

اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ زکوۃ کے وجوب کا انکار کرنے والا شخص کافر ہے، البتہ وہ شخص جو زکوۃ کے وجوب کا اقرار تو کرتا ہو لیکن زکوۃ ادا نہ کرے وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے، اللہ تعالی نے ایسے افراد کے بارے میں سخت وعید بیان فرمائی ہے کہ: {وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (٣٤) يَوْمَ يُحْمَى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ} [التوبة: 34، 35]

ترجمہ:"اور جو لوگ سونا چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیجئے۔ جس دن اس خزانے کو آتش دوزخ میں تپایا جائے گا پھر

---

[1] الأعراف: 156

[2] الحج: 40، 41

اس دن ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (ان سے کہا جائے گا) یہ ہے جسے تم نے اپنے لئے خزانہ بنا رکھا تھا، پس اپنے خزانوں کا مزہ چکھو"۔

اور نبی ﷺ کا فرمان ہے: "کسی شخص کو اللہ تعالی نے مال سے نوازا پھر اس نے اس مال کی زکوۃ ادا نہیں کی تو اس کے مال کو قیامت کے دن سانپ کی شکل کا بنایا جائے گا جس کی آنکھوں کے اوپر نکتے ہوں گے، وہ سانپ اس کے گلے میں طوق بن جائے گا اور اس کے جبڑوں کو دبوچ کر کہے گا "میں ہوں تیرا مال، میں ہوں تیرا خزانہ"۔ [1]

زکوۃ کس پر واجب ہے؟

زکوۃ ہر اس شخص پر واجب ہے جس میں درج ذیل شرائط پائی جائیں:

(1) **اسلام:** لہذا کافر پر زکوۃ واجب نہیں اور نہ ہی کافر کے مال کی زکوۃ قبول کی جائیگی۔

(2) **آزادی:** یعنی وہ شخص آزاد ہو، غلام پر زکوۃ واجب نہیں۔

(3) **ملکیت:** وہ اس مال کا مالک ہو، لہذا ایسا مال جس کا وہ شخص مالک نہ ہو اس کی زکوۃ ادا نہیں کرے گا، جیسے امانت یا رہن کے طور پر رکھوائے گئے مال پر وہ زکاۃ ادا نہیں کرے گا۔

(4) **نصاب:** یعنی اس کے پاس اتنا مال ہو جو نصاب تک پہنچ جائے، اور نصاب سے مراد وہ کم از کم حد ہے جس کے بعد مال پر زکوۃ نہیں ہوتی۔

(5) **اس مال پر ایک سال گزر جائے:** البتہ زرعی پیداوار میں یہ شرط نہیں ہے بلکہ جب بھی فصل ہو گی اس میں سے زکوۃ ادا کرنا واجب ہے، چاہے سال میں دو فصلیں ہوں یا اس سے زیادہ یا کم۔

(6) **اس کا مال پاکیزہ ہو:** حرام مال کی زکوۃ نہیں ہے۔

جن چیزوں پر زکوۃ واجب ہے

---

[1] صحیح البخاری 1338

(1) سونا چاندی اور جو اس کے متبادل ہو، یعنی کرنسی۔

سونے کا نصاب:

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”سونے پر اس وقت تک زکوۃ نہیں جب تک تمہارے پاس بیس (20) دینار نہ ہوں، جب تمہارے پاس بیس دینار ہوں تو اس میں سے آدھا دینار زکوۃ ادا کرو“۔ [1]

بیس دینار کا وزن پچاسی (۸۵) گرام ہے، جو کہ تقریباً ساڑھے سات تولے بنتے ہیں۔

چاندی کا نصاب:

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانچ اوقیہ سے کم (چاندی) پر زکوۃ نہیں“۔ [2]

ایک اوقیہ بیس درہم کے برابر ہے، تو پانچ اوقیہ دو سو درہم کے برابر ہیں، اور دو سو درہم کا وزن پانچ سو پچانوے (۵۹۵) گرام ہے جو کہ تقریبا پچاس تولہ بنتے ہیں۔

زیورات کی زکوۃ:

زیورات کی زکوۃ کے حوالہ سے علماء میں اختلاف ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے عبد اللہ بن عمر، جابر بن عبد اللہ، انس بن مالک، عائشہ صدیقہ، اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہم اجمعین، جبکہ تابعین کی ایک بڑی جماعت جن میں سعید بن المسیب، سعید بن جبیر، ابن سیرین، زہری رحمہم اللہ، جبکہ ائمہ اربعہ میں امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک وہ زیورات جو عورت کے اپنے استعمال کے ہوں ان پر زکوۃ نہیں ہے، جبکہ عمر بن

---

[1] سنن ابو داود (1572) اس حدیث کی صحت میں اختلاف ہے، لیکن یہ حدیث علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً صحیح ثابت ہے، اور چونکہ یہ ایسا معاملہ ہے جس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں لہذا یہ مرفوع کے حکم میں آتی ہے۔

[2] سنن نسائی (2445)

الخطاب، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما اور ائمہ میں سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک زیورات پر زکوۃ واجب ہے۔

موجودہ دور کے اکثر علماء کرام کا یہی قول ہے کہ احتیاط کا تقاضہ ہے کہ زیورات کی زکوۃ ادا کی جائے جب وہ نصاب کو پہنچ جائیں یعنی ساڑھے سات تولہ سونا ہو یا پچاس تولہ چاندی ہو اور ان پر سال گزر جائے۔ اگر زیورات کی زکوۃ قیمت کے حساب سے دی جائے گی تو اس میں زیورات کی حالیہ قیمت کا اعتبار ہو گا اس کی اصل قیمت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

کرنسی کا نصاب:

کرنسی سونا اور چاندی کا متبادل ہے، کیونکہ گزشتہ ادوار میں سونا اور چاندی بطور قیمت کے استعمال ہوتے تھے، موجودہ دور میں کرنسی بطور قیمت کے استعمال ہوتی ہے۔

کرنسی کے نصاب کا اندازہ سونا اور چاندی میں سے سستی جنس کے نصاب سے لگایا جائے گا، اور موجودہ دور میں چاندی سونے کی نسبت سستی ہے لہذا کرنسی کا نصاب چاندی کے نصاب کی قیمت کے بقدر ہو گا، یعنی پچاس تولہ چاندی کی جو موجودہ قیمت ہے وہ کرنسی کا نصاب ہے ،جو کہ اس سال تقریبا اڑتالیس ہزار (48000) روپے بنتے ہیں۔

کرنسی چاہے نوٹ کی صورت میں ہو چاہے کارڈز کی شکل میں ہو، چاہے الیکٹرانک کرنسی ہو جب وہ نصاب تک پہنچ جائے اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہے۔

وضاحت: زیورات کی قیمت کو کرنسی کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا، بلکہ زیورات کا نصاب وزن ہے اور کرنسی کا نصاب قیمت ہے، یعنی اگر کسی شخص کے پاس چار تولہ سونے کے زیورات ہوں اور ان کی قیمت دو لاکھ روپے ہو تو وہ اس پر زکوۃ ادا نہیں کرے گا کیونکہ نصاب مکمل نہیں ہے، سونے کے زیورات ساڑھے سات تولہ ہوں تو زکوۃ واجب ہو گی۔

شیئرز:

ایسی کمپنی جس کا کاروبار حلال ہو اس کے حصص کی خرید و فروخت جائز ہے جب اس خرید و فروخت اور تبادلہ میں جوا شامل نہ ہو۔

شیئرز پر بھی زکاۃ واجب ہے، اور اس کی ادائیگی کا طریقہ کار یہ ہے کہ شیئرز کی حالیہ قیمت اور وہ منافع جو سارا سال اس سے حاصل ہوا ہے کو جمع کیا جائے اور پھر اخراجات نکال کر باقی رقم سے زکوۃ ادا کر دی جائے۔

بانڈز:

بانڈز ایسے قرضہ جات کی رسید کو کہتے ہیں جو ایک انویسٹر کسی کمپنی کو ادا کرتا ہے اور کمپنی یہ قرضہ اس شخص کو ایک خاص مدت میں مخصوص منافع کے ساتھ ادا کرنے کی پابند ہوتی ہے۔ بانڈز کا کاروبار حرام ہے، کیونکہ اس میں قرضہ پر ایک مخصوص منافع لیا جاتا ہے جو کہ سود ہے، لیکن علماء کے نزدیک سود کو نکال کر بانڈز کی اصل رقم پر زکوۃ ادا کرنا واجب ہے جب وہ نصاب تک پہنچ جائے، کیونکہ ایسا قرضہ جس کا حصول متوقع ہو اس کو زکوۃ کے نصاب میں شمار کیا جائے گا۔

کرنسی سے زکوۃ نکالنے کا طریقہ:

اکاونٹ میں موجود رقم	20000(بیس ہزار)
شئیرز (مع منافع، اخراجات نکال کر)	50000(پچاس ہزار)
بانڈز (اصل رقم)	30000(تیس ہزار)
کل کرنسی	100000 ایک لاکھ
زکوۃ (ڈھائی فیصد)	2500ڈھائی ہزار

(2) **زرعی پیداوار:** اس سے مراد وہ اجناس ہیں جنہیں کھایا جاتا ہو اور ذخیرہ کیا جاتا ہو۔ لہذا ایسی اجناس جو کھائی نہ جاتی ہوں جیسے کپاس اور وہ اجناس جنہیں ذخیرہ نہ کیا جاسکتا ہو،

جیسے سبزیاں وغیرہ، ان کی پیداوار پر زکوۃ نہیں، اسی طرح پھلوں کی پیداوار پر بھی زکوۃ نہیں ہے البتہ ان کی تجارت کی صورت میں جو رقم ملے اس پر زکوۃ ہے اگر وہ نصاب تک پہنچ جائے اور اس پر ایک سال گزر جائے۔۔

زرعی پیداوار کا نصاب نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا کہ: ” پانچ وسق سے کم پر زکوۃ نہیں “۔

وسق ایک پیمانہ ہے جس کا وزن تقریبا56 . 130 کلو ہے، اور پانچ وسق 652 کلو بنتے ہیں۔

جن اجناس پر زکوۃ ہے جب وہ نصاب تک پہنچ جائیں اور ان کی سیر ابی میں اگر کسان کا خرچہ نہیں آتا یعنی وہ بارش یا نہروں کے ذریعہ سیر اب ہوتی ہوں اور تو ان پر عشر یعنی دس (۱۰) فیصد زکوۃ ہے، اور جن کی سیر ابی میں کسان کا خرچہ ہو جیسے ٹیوب ویل وغیرہ تو اس پر نصف العشر یعنی پانچ (۵) فیصد زکوۃ ہے۔

(3) مویشی:

یعنی اونٹ، گائے، اور بکریاں۔ ان کے علاوہ باقی جانوروں پر زکوۃ نہیں، البتہ جب ان کی تجارت کی جائے تو ان پر بھی زکوۃ ہے۔

مویشیوں پر زکوۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب وہ خود چرتے ہوں یا ان کے چارے پر مالک کا خرچہ نہ ہو۔ مویشیوں میں سے ہر جنس کی زکوۃ الگ الگ ہے جس کی تفصیل کتب احادیث میں دیکھی جاسکتی ہے۔

وہ مویشی جنہیں اس غرض سے رکھا جائے کہ ان کا دودھ نکال کر بیچا جائے تو ان جانوروں کے عین پر زکوۃ نہیں بلکہ ان کی دودھ کی تجارت سے حاصل کردہ رقم پر زکوۃ ہے جب وہ نصاب کو پہنچ جائے۔ اسی طرح وہ جانور جنہیں بیچنے کی غرض سے پالا جائے تو ان کے عین پر زکوۃ نہیں بلکہ ان کی تجارت سے حاصل کردہ رقم پر زکوۃ ہے۔

(4) سامان تجارت:

اس سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کی تجارت کی جاتی ہو، چاہے ان کے عین پر زکوۃ ہو یا نہ ہو۔
چاہے وہ اشیاء خرید کر آگے بیچی جائیں چاہے خود تیار کر کے۔
تجارت اور سامان تجارت سے زکوۃ نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک دن خاص کر لیا جائے جس میں پورے سال کا آڈٹ (Audit) ہو اور اس میں سال میں حاصل کردہ منافع اور موجودہ سامان تجارت کی حالیہ قیمت، اور ایسے قرضے جن کا حصول متوقع ہو کو جمع کیا جائے اور اس میں سے اخراجات، اور وہ قرضے جو واجب الادا ہیں کو نکال کر باقی رقم سے زکوۃ ادا کر دی جائے۔

منافع	۲۰۰۰۰۰(دولاکھ)+
سامان تجارت (موجودہ)	۱۰۰۰۰۰(ایک لاکھ) +
وہ قرضہ جن کا حصول متوقع ہے	۵۰۰۰۰(پچاس ہزار) +
کل رقم	۳۵۰۰۰۰ (تین لاکھ پچاس ہزار)+
اخراجات	۱۰۰۰۰۰(ایک لاکھ)—
واجب الادا قرضہ	۵۰۰۰۰(پچاس ہزار)—
باقی رقم	۲۰۰۰۰۰(دولاکھ)
زکوۃ	۵۰۰۰(پانچ ہزار)

وضاحت:

مکان تجارت یعنی وہ جگہ جہاں سے تجارت کی جاتی ہو جیسے دکان، فیکٹری وغیرہ ان کی قیمت پر زکوۃ نہیں، اسی طرح جن مشینوں کو سامان کی تیاری میں استعمال کیا جاتا ہو ان پر بھی زکوۃ نہیں۔

(5) کرایہ پر دی گئی اشیاء:

کرایہ پر دی گئی اشیاء کی قیمت پر زکوۃ نہیں بلکہ اس کے کرایہ پر زکوۃ ہے۔ جیسے مکان، فلیٹ، فیکٹری، مشینری، گاڑی وغیرہ کو کرایہ پر دیا جائے تو ان کی قیمت پر زکوۃ نہیں بلکہ ان سے حاصل کردہ کرایہ پر زکوۃ ہے۔

وضاحت:

زمین و مکان یا جائیداد وغیرہ اگر ایک شخص اپنے استعمال کی نیت سے خریدے تو ان پر زکوۃ نہیں، البتہ اگر اسے بیچنے اور تجارت کی غرض سے خریدے تو اس کی ہر سال کی حالیہ قیمت پر زکوۃ ہوگی، اور اسی طرح اگر اسے کرایہ پر دیدے تو اس کی قیمت پر زکوۃ نہیں ہوگی بلکہ اس کے کرایہ پر زکوۃ ہوگی۔

زکوۃ کے مصارف

شریعت اسلامی میں جب بھی مال کی تقسیم کا معاملہ آیا ہے خاص طور پر وہ مال جس میں مشترکہ حقوق ہوں، تو اس تقسیم کو اللہ تعالی نے بندوں کی صوابدید پر نہیں چھوڑا ہے بلکہ خود قرآن مجید میں اس کی تقسیم بیان فرمادی، جیسا کہ وراثت کا مال، مال غنیمت اور مال فیئ کی تقسیم اللہ تعالی نے مکمل وضاحت کے ساتھ قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر بیان فرمائی ہے، بالکل اسی طرح اللہ تعالی نے زکوۃ کی تقسیم بھی کردی اور وہ افراد اور جہات متعین کردی ہیں جن کے علاوہ کسی اور کو زکوۃ نہیں دی جاسکتی، نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور زکوۃ کے مال میں کچھ حصہ مانگا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالی نے اس معاملہ میں کسی کے فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا چاہے وہ نبی ہو یا کوئی اور ہو، بلکہ خود اس کی تقسیم فرمائی ہے، اگر اس تقسیم کے مطابق تمہارا اس میں حصہ بنتا ہے تو بتادو میں تمہیں دے دوں گا"۔[1] امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اللہ تعالی نے صدقات کی تقسیم اپنی کتاب میں بیان فرمادی ہے

---

[1] سنن ابو داود (1430)

مزید تاکید کرتے ہوئے فرمایا: فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ کہ یہ اللہ کی طرف سے فرض کردہ ہے، لہذا کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ اسے اللہ تعالی کی بیان کردہ تقسیم کے علاوہ کسی اور جگہ تقسیم کرے"۔ [1]

سورۃ توبہ آیت (60) میں اللہ تعالی نے زکوۃ کے آٹھ مصرف بیان کئے ہیں، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

{إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ} [التوبة:٦٠]

ترجمہ: صدقے صرف فقیروں کے لئے ہیں اور مسکینوں کے لئے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لئے اور ان کے لئے جن کے دل پرچائے جاتے ہوں اور گردن چھڑانے میں اور قرضداروں کے لئے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لئے فرض ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ علم وحکمت والا ہے"۔

ان آٹھ مصارف کی تفصیل درج ذیل ہے:

(1) **فقیر:** اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس اپنی حاجات پورا کرنے کے لئے کچھ نہ ہو۔

(2) **مسکین:** اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ مال یا ذرائع ہوں لیکن وہ اس کی حاجات کے لئے کافی نہ ہوں۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: {أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ} [2]

---

[1] احكام القران للبيهقي (140/1)

[2] [الكهف: 79]

ترجمہ: ”کشتی تو چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کاج کرتے تھے“۔

تو معلوم ہوا کہ ان مساکین کے پاس کشتی تھی اور وہ کام بھی کرتے تھے لیکن اس کے باوجود بھی وہ مسکین تھے۔

(3) **عامل زکوۃ:** یعنی وہ شخص جو زکوۃ جمع کرتا ہے، وہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں لے سکتا بلکہ امیر یا حاکم اسے اس زکوۃ میں سے کچھ دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

(4) **تالیف قلبی:** یہ وہ واحد مصرف ہے جس میں کسی کافر کو بھی زکوۃ دی جاسکتی ہے۔

اس مصرف میں تین قسم کے افراد شامل ہیں:

- جس کے مسلمان ہونے کی امید ہو۔
- جس کے فتنہ سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنا ہو۔ چاہے وہ شخص مسلمان ہو یا کافر۔
- جو علاقہ کا بڑا، قبیلہ کا سردار یا کوئی حیثیت رکھنے والا شخص ہو اور دعوت دین میں معاون ہو سکے، اسے بھی تالیف قلبی کی خاطر زکوۃ میں سے دیا جاسکتا ہے۔

(5) **گردن آزاد کرانا:** اور موجودہ دور میں کسی بے گناہ مسلمان قیدی کی ضمانت کرانا۔

(6) **قرضدار:** اس سے مراد ایسا قرضدار ہے جس نے کسی اسراف، فضول خرچی یا کسی گناہ کے کام کے لئے قرض نہ لیا ہو، بلکہ ضرورت کے تحت لیا ہو اور پھر اسے چکا نہ سکے۔

(7) **فی سبیل اللہ:**

یہ ایک ایسا مصرف ہے جس میں کافی تفصیل کی ضرورت ہے۔

”فی سبیل اللہ“ نصوص قرآن وحدیث میں دو معنی میں استعمال ہوا ہے:

- عمومی معنی، یعنی ہر وہ نیکی کا کام جو اللہ تعالی کی رضا کی خاطر کیا جائے جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ

سَبۡعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنۡبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنۡ يَشَاءُ}[1] ترجمہ:"جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سے سو دانے ہوں، اور اللہ تعالیٰ اسے چاہے اور بڑھادے اور اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔

☐ خاص معنی یعنی جہاد۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے : {وَأَعِدُّوا لَهُمۡ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِنۡ قُوَّةٍ وَمِنۡ رِبَاطِ الۡخَيۡلِ تُرۡهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمۡ وَآخَرِينَ مِنۡ دُونِهِمۡ لَا تَعۡلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعۡلَمُهُمۡ وَمَا تُنۡفِقُوا مِنۡ شَيۡءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيۡكُمۡ وَأَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُونَ}[2]

ترجمہ:"تم ان کے مقابلے کے لئے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری کرو اور گھوڑوں کے تیار رکھنے کی کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو اور ان کے سوا اوروں کو بھی، جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں خوب جان رہا ہے جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں صرف کروگے وہ تمہیں پوراپورا دیا جائے گا اور تمہارا حق نہ مارا جائے گا"۔

اسی وجہ سے اہل علم میں اس بات پر اختلاف ہے کہ یہاں کونسا معنی مراد ہے، اور اس بارے میں اہل علم کے تین اقوال ہیں:

پہلا قول: اس سے مراد خاص معنی یعنی جہاد ہے۔

اس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے اور جمہور اہل علم بلکہ ائمہ اربعہ کا یہی قول ہے۔

مفسرین کے اقوال:

☐ استاذ المفسرین ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"جہاں تک اللہ تعالی کے اس فرمان

[1] [البقرة: 261]

[2] [الأنفال: 60]

"فی سبیل اللہ" کا تعلق ہے تو اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالی کے دین اور اس کی شریعت کی نصرت کے لئے جو قتال کیا جاتا ہے جو کفار سے جہاد ہے اس کے لئے خرچ کرنا۔[1]

- ابن عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "سبیل اللہ" سے مراد ہے کہ یہ مال مجاہد کو دیا جائے چاہے وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو۔[2]
- ابو الحسن الواحدی صاحب تفسیر "الوجیز" لکھتے ہیں: "فی سبیل اللہ" یعنی مجاہدین اور سرحدوں کی رکھوالی کرنے والے۔[3]
- حسین بن مسعود البغوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "فی سبیل اللہ" سے اللہ تعالی کی مراد مجاہدین ہیں، لہذا انہیں بھی اس صدقہ میں حصہ دینا چاہیئے۔[4]
- امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس سے مراد غازی اور سرحدوں کی رکھوالی کرنے والے مجاہدین ہیں، اور یہی اکثر اہل علم کا قول ہے"۔[5]
- تاج المفسرین امام ابن کثیر رحمہ اللہ بھی اسی موقف کی تائید میں لکھتے ہیں کہ: "اس سے مراد وہ غازی ہیں جن کے لئے باقاعدہ تنخواہ مقرر نہ ہو"۔[6]
- امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس سے مراد غازی اور سرحدوں کی رکھوالی کرنے

---

[1] تفسير طبرى (12/ 319)

[2] تفسير ابن عطيه (3/ 276)

[3] تفسير الوجيز (289)

[4] تفسير البغوي (342/2)

[5] تفسير القرطبى (189/10)

[6] تفسير ابن كثير (149/4)

والے مجاہدین ہیں"۔ [1]

- عبد الرحمن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ساتواں مصرف: اور یہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے ہیں، اور یہ وہ مجاہدین ہیں جن کے لئے باقاعدہ تنخواہیں مقرر نہ ہوں"۔ [2]

یہ چند کبار مفسرین کے اقوال ہیں، اور ان کے علاوہ بھی سلف و خلف کے تمام مفسرین کا یہی قول ہے۔

علماء کے اقوال:

(۱) امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس کی زکوۃ ادا نہیں ہو گی جو اسے میت کی تکفین میں دیدے، کیونکہ زکوۃ صرف فقراء اور مساکین اور ان افراد کے لئے ہے جن کا اللہ تعالی نے قرآن میں ذکر کیا ہے، میت کے لئے اور مساجد کی تعمیر کے لئے نہیں ہے"۔ [3]

(۲) ابن ہبیرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " چاروں ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زکوۃ کو مساجد کی تعمیر اور میت کی تکفین وغیرہ کے لئے استعمال نہیں کیا جاسکتا، اگرچہ یہ بھی نیکی ہے، لیکن زکوۃ کے مصارف پہلے سے متعین ہیں۔ [4]

(۳) ابن قدامہ المقدسی فرماتے ہیں: "اللہ تعالی کے ذکر کردہ مصارف کے علاوہ زکوۃ کو کسی اور مصرف جیسے مساجد کی تعمیر، پلوں اور سڑکوں کی درستگی اور کنوؤں کی کھدائی میت کی تکفین وغیرہ کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں۔ امام ابو داود رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام

---

(1) فتح القدير (272/3)

(2) تفسير السعدى (341/1)

(3) المدونة الكبرى (59/2)

(4) الافصاح (108)

احمد رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ: "کیا زکوۃ کو میت کی تکفین و تجہیز کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے؟ تو امام احمد نے فرمایا: "نہیں، اور نہ ہی میت کا قرض اس میں سے ادا کیا جاسکتا ہے"۔ [1]

(۴) ابو حنیفہ رحمہ اللہ: "فی سبیل اللہ" سے مراد ایسا غازی ہے جو غنی نہ ہو۔ [2]

(۵) ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جہاں تک "فی سبیل اللہ" کا تعلق ہے تو اکثر علماء اس بات پر متفق ہیں کہ یہ مجاہد کے لئے خاص ہے، چاہے وہ امیر ہو یا غریب، اور بعض کا یہ قول ہے کہ یہ صرف غریب مجاہد کے لئے خاص ہے۔ [3]

(٦) ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جہاں تک "سبیل اللہ" کا تعلق ہے تو اس سے مراد یقیناً جہاد ہی ہے۔ [4]

دلائل:

(1) "فی سبیل اللہ" کا لفظ جب نصوص قرآن وحدیث میں مطلقاً آئے تو اس سے مراد جہاد ہوتا ہے، گویا کہ یہ لفظ اسی کے لئے خاص ہو گیا ہے۔ ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "سبیل اللہ ویسے ہر اس عمل کو کہتے ہیں جو اللہ تعالی کے قریب کر دے، لیکن جب یہ مطلقاً آئے تو اس کا معنی جہاد ہی ہوتا ہے، حتی کہ جہاد کے لئے کثرت استعمال کی وجہ سے گویا یہ اسی کے لئے خاص ہو کر رہ گیا ہے۔ [5]

(2) اللہ تعالی نے آیت کی ابتدا میں لفظ "إنما" یعنی "صرف" کہہ کر یہ بتایا کہ یہ زکوۃ انہی آٹھ مصارف میں محدود رہے گی، اگر یہاں "فی سبیل اللہ" سے مراد ہر قسم کی

---

[1] المغنی (525/2)

[2] عمدة القاری (45/9)

[3] فتح الباري (259/3)

[4] المحلی (151/4)

[5] النهاية فی غريب الحديث (125/2)

نیکی اور فلاح کا کام ہو تو اس قید کا کوئی فائدہ نہ ہو گا۔

(3) عربی لغت کا قاعدہ ہے کہ ''عطف مغایرت چاہتا ہے'' یعنی ان آٹھ مصارف کے درمیان جو حرف ''و'' کا استعمال ہوا ہے اسے عربی گرامر میں ''حرف عطف'' کہتے ہیں، اور حرف عطف دو الگ الگ چیزوں کے درمیان فرق کے لئے استعمال ہوتا ہے، یہاں پر اس کا استعمال یہ بتاتا ہے کہ سارے مصارف ایک دوسرے سے الگ ہیں، ''و'' کا معنی ہے ''اور'' جیسا کہ اردو میں کہا جاتا ہے: ''ابو بکر اور عمر آئے'' تو لفظ ''اور'' کے ذریعہ دو الگ الگ چیزوں کے درمیان فاصلہ کیا جاتا ہے، یہی استعمال ''و'' کا عربی میں ہے۔ اللہ تعالی نے آٹھوں مصارف کے درمیان ''و'' ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مصرف دوسرے سے مختلف ہے، فقراء کا مصرف الگ ہے، مساکین کا الگ ہے، تالیف قلبی کا الگ، اسی طرح ان سب مصارف کا ''فی سبیل اللہ'' کے مصرف سے کوئی تعلق نہیں، اگر ''فی سبیل اللہ'' کا معنی ہر نیکی کر لیا جائے تو فقرا، مساکین کو دینا بھی نیکی ہے پھر اللہ تعالی نے ان کے درمیان ''و'' کا استعمال کیوں کیا ہے؟ تو معلوم ہوا کہ ''فی سبیل اللہ'' ایک الگ مصرف ہے اور وہ مجاہدین ہیں۔

(4) ایک صحیح حدیث میں نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''مالدار شخص کے لئے پانچ قسم کے حالات کے علاوہ زکوۃ لینا جائز نہیں، (ان میں سے ایک) جب وہ فی سبیل اللہ غازی ہو''۔ [1]

تو اس حدیث میں واضح طور پر نبی ﷺ نے ''فی سبیل اللہ'' کے مصرف کو بیان کیا ہے۔

دوسرا قول: اس سے مراد غازی اور فقیر حاجی ہے۔

اس قول کو امام بخاری نے کتاب الزکوۃ میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حسن بصری

---

[1] سنن ابو داود (1435)

رحمہ اللہ سے تعلیقاً (بغیر سند) روایت کیا ہے[1]، اور حنابلہ کی بعض کتب میں اسے امام احمد کا قول بھی بتایا گیا ہے۔

دلائل:

(1) عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک انصاریہ صحابیہ نے اپنے شوہر سے کہا کہ: مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کراؤ، تو اس صحابی نے کہا کہ: میرے پاس تو کوئی سواری نہیں جس پر میں تمھیں حج کرواسکوں، تو صحابیہ نے کہا: تمہارا وہ فلاں گھوڑا ہے، تو صحابی نے کہا: میں اسے فی سبیل اللہ وقف کر چکا ہوں، پھر وہ صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور یہ واقعہ بیان فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تم اسے اس گھوڑے پر حج کرواؤ گے تو یہ بھی فی سبیل اللہ میں ہو گا"، پھر اس صحابی نے کہا کہ میری بیوی نے کہا ہے کہ میں آپ سے پوچھوں کہ آپ کے ساتھ حج کرنے کے ثواب کے برابر اور کون سا عمل ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رمضان میں عمرہ کرنے کا اجر میرے ساتھ حج کرنے کے ثواب کے برابر ہے"۔[2]

(2) ام معقل اسدیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے شوہر نے وصیت کرتے ہوئے اپنا اونٹ فی سبیل اللہ وقف کر دیا، پھر ام معقل نے حج کا ارداہ کیا لیکن ان کے پاس سواری نہیں تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو معقل کو حکم دیا کہ وہ یہ اونٹ انہیں دیں اور فرمایا: "حج "فی سبیل اللہ" میں سے ہے"۔[3]

(3) ابو لاس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج پر جانے کے لئے

---

[1] صحيح البخاري (كتاب الزكوة ، باب قوله تعالى : وفى الرقاب والغارمين...)

[2] سنن ابو داود (1990)

[3] سنن دارمی (3304)

صدقہ کے اونٹ عنایت فرمائے تھے۔[1]

دلائل کا تجزیہ:

(1) دلیل کے طور پر پیش کی جانی والی تینوں احادیث ضعیف ہیں۔(تفصیل کے لئے حاشیہ)[2]

(2) اگر بالفرض ان احادیث کو صحیح مان بھی لیا جائے تو بھی یہ اس مسئلہ میں دلیل نہیں بن سکتیں، کیونکہ حدیث ابن عباس اور ام معقل میں وقف کا بیان ہے زکوۃ کا نہیں، جبکہ ہم تو زکوۃ کے مصارف کا تذکرہ کر رہے ہیں، وقف کے مصارف کا نہیں۔ صاحب تفسیر المنار محمد رشید بن علی رضا لکھتے ہیں: "ابو معقل رضی اللہ عنہ کا وقف کرنا ایک نفلی صدقہ تھا اور اس کے مصارف میں وہ شرط نہیں ہوتی جو زکوۃ کے مصارف میں ہوتی ہے، بلکہ نفلی صدقہ کے مصارف عام ہیں۔[3]

تیسرا قول: آیت میں "فی سبیل اللہ" سے مراد تمام نیکیاں اور بھلائی کے کام ہیں۔ لہذا زکوۃ کا مال ہر قسم کے رفاہی اور فلاحی کاموں جیسے مساجد کی تعمیر، ہسپتال، سڑکوں کی تعمیر

---

[1] مسند احمد (221/4)

[2] حدیث ابن عباس: اس کی سند میں ایک راوی عامر الاحول ہے جو کہ صدوق یخطئ ہے اور یہی روایت صحیح بخاری اور مسلم میں ہے جس کے تمام راوی ثقہ ہیں لیکن اس میں یہ الفاظ نہیں کہ " اگر تم اسے اس گھوڑے پر حج کرواؤ گے تو یہ بھی فی سبیل اللہ میں ہو گا" تو معلوم ہوا کہ یہ الفاظ شاذ (یعنی ضعیف) ہیں، امام البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "یہ حدیث ان الفاظ کے علاوہ صحیح ہے"۔

حدیث ام معقل: اس حدیث کی سند اور الفاظ میں شدید اضطراب اور اختلاف ہے اور اس میں جمع بھی ممکن نہیں لہذا حدیث ضعیف ہے، عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ نے مرعاۃ المفاتیح (۳ / ۱۱۷) میں اس حدیث پر ضعف کا حکم لگایا ہے، اس حدیث کی دو اسناد ہیں، ایک میں مہاجر بن ابراہیم ہے جو کہ مقبول ہے اور یہ توثیق کا سب سے نچلا درجہ ہے، یعنی اس کی روایت بغیر متابعت کے قبول نہیں کی جائیگی، جبکہ دوسری سند میں ابن اسحاق ہے جو کہ مدلس ہے اور اس نے سماع کی صراحت نہیں کی۔

حدیث ابولاس: اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہے جو کہ مدلس ہے اور اس نے سماع کی صراحت نہیں کی، اسی لئے ابن حجر نے تغلیق التعلیق میں اس روایت کے بارے میں توقف اختیار کیا ہے۔

[3] تفسیر المنار (434/10)

وغیرہ میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔

اس قول کا سلف صالحین میں سے کوئی بھی قائل نہیں، بلکہ متاخرین علماء میں سے چند اس کے قائل رہے ہیں، سب سے پہلے اس قول کو اختیار کرنے والے فخر الدین رازی شافعی ہیں جنہوں نے اپنی تفسیر میں بعض فقہاء کی طرف اس قول کو منسوب کیا اور پھر اسے راجح قرار دیا[1]، ان کے بعد متاخرین حنفیہ میں سے بعض نے اسے اختیار کیا، جیسا کہ امام کاسانی نے بدائع الصنائع میں، اور امام آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں۔

اہلحدیث علماء میں سب سے پہلے یہ قول امام صنعانی رحمہ اللہ نے سبل السلام میں اختیار کیا، پھر صدیق حسن خان رحمہ اللہ نے روضۃ الندیہ میں، ان کے بعد یہ قول کئی علماء نے اختیار کیا، لیکن اکثر علماء نے اسے مرجوح قرار دیا، جیسا کہ عبید اللہ رحمانی نے مرعاۃ المفاتیح میں اس پر سخت تنقید کی ہے اور اس قول کو انتہائی ضعیف قرار دیا ہے[2]۔

دلائل اور ان کا تجزیہ:

(1) "فی سبیل اللہ" عام ہے، اور اسے خاص معنی پر محمول کرنے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے، جو کہ اس آیت میں موجود نہیں۔

جواب:

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ "فی سبیل اللہ" جب بھی مطلقاً آتا ہے تو اس سے مراد جہاد ہی ہوتا ہے، اور پھر آیت میں "إنما" کی قید اور حرف "و" کا ستعمال بھی اس بات کی دلیل ہے کہ "فی سبیل اللہ" سے مراد خاص معنی ہے نہ کہ عام۔

(2) وہ تمام احادیث جس سے دوسرے قول کے قائلین نے استلال لیا تھا۔ان

---

[1] تفسير رازي (113/12)

[2] مرعاة المفاتيح (118/3)

احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ فی سبیل اللہ ایک چیز کے لئے خاص نہیں بلکہ اس میں اور اعمال بھی آتے ہیں۔

جواب:

یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ وہ احادیث صحیح ثابت نہیں لہذا ان سے استدلال لینا جائز نہیں۔ اگر ان احادیث کو صحیح مان بھی لیا جائے تو ان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام ''فی سبیل اللہ'' کو ایک خاص معنی پر محمول کرتے تھے، اسی لئے صحابہ نے نبی کریم ﷺ سے آکر اس بارے میں سوال کیا، اور نبی ﷺ نے صرف حج کو مزید اس مصرف میں شامل کیا۔

(3) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے مسجد کی تعمیر میں رقم خرچ کی، اور بیت المال میں زکوۃ کا ہی مال جمع ہوتا تھا، اور صحابہ کرام نے عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت نہیں کی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ''فی سبیل اللہ'' تمام بھلائی کے کاموں کو شامل ہے۔

جواب:

پہلی بات: یہ ہے کہ قاعدہ اور اصل تو یہ ہے کہ زکوۃ کا مال چند مخصوص مصارف ہی میں استعمال کیا جائیگا، اور عمر رضی اللہ عنہ یقیناً اس قاعدہ سے لاعلم نہیں ہونگے اور زکوۃ کا مال انہی مصارف میں خرچ کریں گے جن کے لئے وہ مخصوص کیا گیا ہے، البتہ اس کے برعکس یہ بات ثابت کرنے کی ضرورت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی تعمیر میں زکوۃ ہی کا مال خرچ کیا ہے؟؟۔

دوسری بات: یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں بیت المال نہیں تھا بلکہ جو بھی مال آتا آپ ﷺ اسے فوراً تقسیم فرمادیتے، بیت المال کا انشاء سب سے پہلے عمر رضی اللہ عنہ نے ہی کیا تھا، اور اس کی ضرورت اس وقت محسوس کی گئی جب دارالخلافہ مدینہ میں مال کی کثرت ہوگئی، اور عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں وہ ذرائع جن سے مال آتا تھا وہ بھی زیادہ ہوگئے تھے،

عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیت المال میں چھ ذرائع سے مال آتا تھا:

(۱) زکوۃ۔

(۲) **مال غنیمت:** وہ مال جو جنگ کے ذریعہ حاصل ہو۔

(۳) **مال فئ:** وہ مال جو جہاد میں بغیر جنگ کے حاصل ہو۔

(۴) **خراج:** وہ مال جو مسلمان ان کفار سے لیتے تھے جو مسلمانوں کے علاقہ میں رہتے اور کھیتی باڑی کرتے تھے، ان سے ایک مناسب نسبت طے کرلی جاتی جسے وہ ہر فصل میں سے ادا کرتے۔

(۵) **جزیہ:** جو مسلمانوں کے علاقہ میں رہنے والے ایسے کفار سے لیا جاتا جو کھیتی باڑی کے علاوہ کسی اور پیشہ سے منسلک ہوتے۔

(۶) **ٹیکس:** ایسے کفار سے لیا جاتا جو دارالکفر سے دارالاسلام میں تجارت کی غرض سے آتے تھے۔

تو یہ کہنا درست نہیں کہ بیت المال میں صرف زکوۃ کا ہی مال آتا تھا، بلکہ زکوۃ کی نسبت دیگر ذرائع سے آنے والا مال زیادہ تھا، اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال میں ہر ایک کے الگ دیوان قائم کئے تھے، جیسا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ میں تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ بیت المال میں کئی دیوان تھے مثلاً دیوان الزکوۃ جس میں صرف زکوۃ کا مال رکھا جاتا، اسی طرح دیوان الجند جس میں جہاد سے حاصل کردہ مال رکھا جاتا، اور دیگر دیوان بھی قائم تھے۔ اس تقسیم سے صاف ظاہر ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے زکوۃ کے مصارف کی خصوصی تقسیم کی وجہ سے اس کا دیوان الگ قائم کیا تھا، لہذا یہ سمجھنا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک "فی سبیل اللہ" کا معنی عام تھا اور وہ اسے ہر نیکی کے کام پر محمول کرتے تھے، غلط ہے۔

چوتھی بات: یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیت المال سے تمام مسلمانوں کو بلا تفریق مخصوص ماہانہ وظیفہ دیا جاتا تھا، اور ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اور مالدار مسلمان

بھی شامل تھے، جبکہ مالدار مسلمان اور نبی ﷺ کے اہل بیت کے لئے زکوۃ لینا حرام ہے۔

یہاں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ زکوۃ کا مال تو امیر المومنین کے پاس ہوتا تھا پھر وہ آگے اسے مسلمانوں کو ہدیہ کرتے تھے اور اہل بیت کے لئے ہدیہ حرام نہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی بریرہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا تھا کہ اسے جو صدقہ ملتا ہے وہ اس کے لئے صدقہ ہے ہمارے لئے ہدیہ ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امیر المومنین یا خلیفہ زکوۃ کے مال کا مالک نہیں ہوتا بلکہ وہ مال اس کے پاس بطور امانت ہوتا ہے اور اسے وہیں خرچ کرنا ہوتا ہے جو اس کے جائز مصارف ہیں، جبکہ بریرہ رضی اللہ عنہا کو جو صدقہ ملتا تھا وہ ان کی ملکیت میں آجاتا تھا پھر وہ اسے جہاں چاہیں خرچ کریں۔ لہذا اہل بیت کو ملنے والا مال زکوۃ کا ہرگز نہیں ہوسکتا تو معلوم ہوا کہ زکوۃ کا مال یقیناً دیگر اموال سے الگ رکھا جاتا ہوگا اور اسے اس کے مخصوص مصارف ہی میں خرچ کیا جاتا ہوگا۔

خلاصہ کلام:

اس مسئلہ میں راجح قول پہلا قول ہے، کہ آیت زکوۃ میں "فی سبیل اللہ" سے مراد خاص معنی ہے اور وہ ہے مجاہدین۔ لہذا مساجد و مدارس کی تعمیر، ہسپتال اور مریضوں کے علاج و معالجہ، سڑکوں کی تعمیر اور دیگر فلاحی کاموں میں جن کا ذکر زکوۃ کے مصارف میں نہیں زکوۃ استعمال کرنا جائز نہیں۔

ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مساجد کی تعمیر اور مدارس کی تعمیر اور اسی طرح سڑکوں، پلوں وغیرہ کی تعمیر میں زکوۃ استعمال کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ زکوۃ کے آٹھ مصارف میں شامل نہیں۔ [1]

چند ضروری وضاحتیں:

یہاں پر مجاہدین سے مراد وہ مجاہد ہیں جو صحیح منہج پر ہوں اور خالصتاً اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے

---

[1] فتاوی نور علی الدرب۔

جہاد کریں، جن کے ہاں دوستی اور دشمنی کا معیار قرآن وحدیث اور توحید ہو، جن کا جہاد مشکوک نہ ہو، اور جن کے مالی معاملات پر انگلیاں نہ اٹھتی ہوں۔

(1) جہاد سے مراد صرف جہاد بالسیف نہیں ہے، بلکہ جہاد باللسان، یعنی زبان کا جہاد اور قلم کا جہاد بھی اس میں شامل ہے، اور یہ جہاد قرآن وحدیث کے نصوص سے ثابت ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: {فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا}[1]

(2) ترجمہ: ”پس آپ کافروں کا کہنا نہ مانیں اور قرآن کے ذریعے ان سے پوری طاقت سے بڑا جہاد کریں“۔ یہاں قرآن کے ذریعہ جہاد کا حکم دیا گیا ہے جو کہ یقیناً زبان ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے، اور یہ سورت الفرقان کی آیت ہے اور سورت الفرقان مکی سورت ہے اور مکہ میں جہاد فرض نہیں ہوا تھا، لہذا اس آیت میں تبلیغ دین ہی کو جہاد قرار دیا گیا ہے، اسی طرح نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: **"جاهدوا المشركين بأموالكم وأنفسكم وألسنتكم"** ترجمہ: ”مشرکین سے جہاد کرو اپنی جانوں کے ساتھ اور مال کے ساتھ اور زبانوں کے ساتھ“۔[2]

لہذا ایسے ادارے، مراکز اور افراد جو معاشرہ میں انسانوں کی رہنمائی اور شرک وبدعت کے خلاف جہاد میں مصروف عمل ہوں ان کے ساتھ زکوۃ کے مال سے تعاون کیا جاسکتا ہے، بلکہ موجودہ دور میں یہ جہاد بہت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ حالیہ زمانہ میں قوموں کو اسلحہ کے زور سے فتح کرنے کے بجائے نظریات اور افکار کی جنگ لڑی جاتی ہے، اور اس کے نتائج آج ہمیں اپنے معاشرہ پر بھی بھرپور طریقہ سے نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب رابطہ عالم اسلامی (OIC) کی علماء کمیٹی ”المجمع الفقهي الاسلامي“ سے خاص طور پر پاکستان کے حوالہ

---

[1] [الفرقان: 52]

[2] سنن ابو داود (2504)

سے زکوۃ کے متعلق پوچھا گیا تو علماء کمیٹی نے فتوی دیا جو کہ 27 جون 1983ء کو جاری ہوا، اس میں مجمع الفقہی الاسلامی نے ایسے اداروں اور مراکز کو زکوۃ کے مصرف فی سبیل اللہ میں سے قرار دیا جو معاشرہ میں جہاد باللسان کا فرض انجام دے رہے ہوں۔

(3) مدارس کو فی سبیل اللہ میں شمار نہیں کیا جاسکتا البتہ صرف طلبہ کے اخراجات کے لئے زکوۃ استعمال کی جاسکتی ہے، یا تو انہیں مسافر قرار دیتے ہوئے، یا پھر ان میں وہ طلبہ جو فقیر ہوں ان کے لئے الگ سے مد قائم کی جائے۔ واللہ اعلم

(8) مسافر:

اس سے مراد وہ شخص ہے جو حالت سفر میں ہو، چاہے وہ اپنے علاقہ میں کتنا ہی امیر کیوں نہ ہو حالت سفر میں آفت آجانے کی وجہ سے اس کے لئے زکوۃ لینا جائز ہے۔

وصلى الله وسلم على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين

قارئین توجہ فرمائیں

الحمدللہ سہ ماہی البیان کی ٹیم اپنی تمام تر ممکنہ کاوشوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کی ہر کاپی کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن بتقاضائے بشریت، کمال کسی کو حاصل نہیں، لغزشیں بنی آدم کا خاصہ ہیں۔ لہذا قارئین سے گذارش ہے کہ وہ اس سلسلے کو مزید بہتر سے بہتر بنانے کیلئے تجاویز ارسال کریں۔ اور جہاں ہماری اصلاح کی ضرورت سمجھیں اصلاح بھی کریں کیونکہ "الدين النصيحة" دین تو خیر خواہی کا نام ہے۔ ممکن ہے آپ کا کوئی قیمتی مشورہ ہمارے کام آجائے اور اس پر عمل پیرا ہونے سے آپ کیلئے صدقہ جاریہ بن جائے۔ (ادارہ)۔

احکام و مسائل:

شوال کے روزوں کی فضیلت اور احکام

عمران فیصل [1]

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلمان کو تمام قسم کے نیک اعمال پر ہیشگی اور تسلسل کے ساتھ عمل پیرا ہونا چاہئے، اور تزکیہ نفس پر انتہائی حریص ہونا چاہیئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی مقصد کیلئے عبادات متعین فرمائی ہیں۔ انسان جس قدر ان نیکیوں کو اپنائے گا اُس قدر ہی تزکیہ نفس کی منزلیں طے کرتا جائے گا۔ اور جس قدر عبادات میں سستی کرے گا اتنا ہی اس تزکیہ سے دور ہوتا چلا جائے گا۔ نتیجتاً اہلِ طاعت کے دل نرم ہوتے ہیں اور ان ہی سے معاشرے میں صلاح ہوتی ہے جبکہ برائی کرنے والوں کے دل سخت ہو جاتے ہیں اور وہی معاشرے میں فساد کا سبب بنتے ہیں۔

روزہ ان عبادات میں سے ہے جو دلوں سے تمام قسم کا میل کچیل صاف کرتا ہے اور تمام ظاہری وباطنی امراض سے شفایابی کا باعث ہے۔ ماہِ رمضان دلوں کے جائزہ و نظر ثانی اور جانچ کا مہینہ ہے۔ اور اسکے ایّام دلوں کی پاکیزگی اور طہارت کا سبب بنتے ہیں۔ رمضان کے بعد شوّال کے چھ روزوں کی مشروعیت ان مواقع میں سے ایک انتہائی قیمتی موقع ہے جس میں روزہ دار رمضان کے روزوں سے فارغ ہو کر روزوں کی ایک اور اطاعت کو اپنا لیتا ہے۔ جس میں فضلِ عظیم اور بڑا اجر و ثواب ہے۔ کیونکہ جو شخص رمضان المبارک کے روزے رکھنے کے بعد شوال میں چھ روزے بھی رکھتا ہے اس کے لیے پورے سال کے روزوں کا اجر وثواب لکھا جاتا ہے۔

---

[1] فاضل مدینہ یونیورسٹی، مدیر رفاہی اُمور: المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی۔

شوال کے روزوں کی فضیلت:

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ". [1]

ترجمہ: جس نے رمضان المبارک کے روزے رکھنے کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ ایسا ہے جیسے پورے سال کے روزے ہوں۔

نبی مکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کی شرح اور تفسیر اس طرح بیان فرمائی ہے کہ: جس نے عید الفطر کے بعد چھ روزے رکھے اس کے پورے سال کے روزے ہیں۔ کیونکہ: **"الحسنة بعشرة أمثالها"**۔ یعنی: جو کوئی نیکی کرتا ہے اسے اس کا اجر دس گنا بڑھا کر ملتا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ:

اللہ تعالیٰ ایک نیکی کے بدلے دس نیکیاں عطا کرتا ہے۔ لہٰذا رمضان المبارک کا مہینہ دس مہینوں کے برابر ہوا اور چھ دنوں کے روزے سال کو پورا کرتے ہیں۔ [2]

اور ابن خزیمہ نے ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ:

"رمضان المبارک کے روزے دس گنا اور شوال کے چھ روزے دو ماہ کے برابر ہیں تو اس طرح کہ پورے سال کے روزے ہوئے"۔ [3] اور انہی الفاظ کے ساتھ امام احمد رحمہ اللہ نے سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے۔

---

[1] صحيح مسلم كتاب الصيام ، باب استحباب صوم ستة ايام من الشوال ،حديث رقم:1164 -
سنن ترمذی ، باب ما جاء فی صيام ستة من الشوال حديث رقم:759-

[2] صحيح الترغيب والترهيب صفحة:1-421- رياض الصالحين صفحة:2-152-

[3] صحيح ابن خزيمة بَابُ فَضْلِ إِتْبَاعِ صِيَامِ رَمَضَانَ بِصِيَامِ ستة من الشوال، حديث رقم: 1982.
سنن الكبرىٰ للنسائی ، حديث رقم: 2819.

حنابلہ اور شوافع فقہاء کرام رحمہم اللہ نے تصریح کی ہے کہ:

رمضان المبارک کے بعد شوال کے چھ روزے رکھنا پورے ایک سال کے فرضی روزوں کے برابر ہے، وگرنہ تو عمومی طور پر نفلی روزوں کا اجر وثواب بھی زیادہ ہونا ثابت ہے، کیونکہ ایک نیکی دس کے برابر ہے۔

پھر شوال کے چھ روزے رکھنے کے اہم فوائد میں یہ بھی ہے کہ یہ روزے رمضان المبارک کے روزوں کی کمی اور نقص کو پورا کرتے ہیں۔ کیونکہ روزہ دار سے حالت روزہ میں کمی ہو جاتی ہے اور گناہ بھی سرزد ہو جاتا ہے جو کہ روزہ کے ثواب میں کمی کا باعث بنتا ہے اب اس کمی کو پورا کرنے کیلئے رسول اللہ ﷺ نے ہماری رہنمائی فرمادی کہ شوال کے چھ روزے رکھنے سے فرض روزوں میں ہونے والی کمی پوری ہو جاتی ہے اس طرح بندے کو چھ نفلی روزوں کا ثواب بھی مل جاتا ہے اور رمضان کے فرضی روزوں کی کمی بھی پوری ہو جاتی ہے۔

اور روز قیامت فرائض میں پیدا شدہ نقص نوافل سے پورا کیا جائے گا، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا: روز قیامت بندے کے اعمال میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہو گا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب عزوجل اپنے فرشتوں سے فرمائے گا حالانکہ وہ زیادہ علم رکھنے والا ہے میرے بندے کی نمازوں کو دیکھو کہ اس نے پوری کی ہیں کہ اس میں نقص ہے، اگر تو مکمل ہونگی تو مکمل لکھی جائے گی، اور اگر اس میں کچھ کمی ہوئی تو اللہ تعالی فرمائے گا دیکھو میرے بندے کے نوافل ہیں اگر تو اس کے نوافل ہونگے تو اللہ تعالی فرمائے گا میرے بندے کے فرائض اس کے نوافل سے پورے کرو، پھر باقی اعمال بھی اسی طرح لیے جائیں گے۔ [1]

نیز رمضان کے بعد روزہ رکھنے کی عادت پڑنا رمضان کے روزوں کی قبولیت کی بھی نشانی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی انسان کا عمل قبول فرماتا ہے تو اسے مزید اعمال صالحہ کی توفیق

---

[1] سنن ابوداود رقم الحدیث 733 -

عطا فرماتا ہے۔

تو جس شخص نے کوئی نیک عمل انجام دیا اور اس شخص کو اسکے بعد بھی عمل صالح کی توفیق مل گئی تو یہ دلیل ہو گی کی کہ اسکا پہلا عمل بارگاہِ ربّ العزت میں شرفِ قبولیت پا چکا ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے عملِ صالحہ کیا اور اسکے بعد پھر انہی گناہوں کی طرف لوٹ گیا تو وہ نشانی ہے اس بات کی کہ اسکا وہ عمل قبول نہیں ہوا بلکہ ردّ کیا جا چکا ہے۔ اس بات پر اُن لوگوں کو خاص طور پر متوجہ ہونا چاہئے جو رمضان کے روزے رکھنے بعد یوم الفطر کے دن ہی گناہوں میں مبتلا ہو جانے کی کوشش کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ عید منا رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عید الفطر کا دن رمضان کے روزے رکھنے والوں کیلئے خوشی و شادمانی کا دن ہوتا ہے اس دن روزہ دار اپنے ربّ سے مغفرت پالینے کی خوشی میں مسرت سے سرشار ہوتے ہیں کیونکہ دنیاوی زندگی میں مغفرت سے بڑھ کر کوئی انعام نہیں ہوتا اور اس انعام پر انہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے نہ کہ رمضان گزرنے کی خوشی میں گناہوں کا ارتکاب کیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا انعام پالینے کا شکر کس طرح کیا جائے؟ اسکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بڑی ہی واضح تعلیم دی ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں اتنا طویل قیام کیا کرتے تھے کہ اُنکے قدم مبارک سوج جایا کرتے تھے تو صحابہ کرام Ψ کہتے آپ ایسا کیوں کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپکو اگلی پچھلی خطاؤں سے پہلے ہی معاف فرما دیا ہے۔ تو آپ فرماتے: "أفلا أكون عبداً شكوراً"۔ ترجمہ: کیا میں بہت زیادہ شکر کرنے والا بندہ نہ بنوں؟[1]

کیا ہی اچھا ہے کہ مسلمان رمضان کے بعد مغفرت کا انعام پالینے کے شکر میں پھر

---

[1] صحيح البخاري، كتاب تفسيرالقرآن رقم الحديث: 4487-

سے شوال کے روزے رکھے۔

اس کے علاوہ نیکیوں کے لئے کوئی بھی موسم معین نہیں ہے اور مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان اطاعتوں کو جاری وساری رکھیں حتیٰ کہ اپنے ربّ سے جاملیں۔

سوال: کیا شوال کے روزے مکروہ ہیں؟

احناف اور مالکیہ کے کچھ علماء رحمہم اللہ نے اس صورت میں شوال کے روزوں کو مکروہ کہا ہے جب یہ اندیشہ ہو کہ عامۃ الناس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ شوال کے روزے رمضان کی طرح فرض ہیں۔

دلیل کے طور پر مذاہب اربعہ کی چار مشہور کتابوں سے علماء کا کلام نقل کرتے ہیں۔

(1) احناف کے نزدیک شوال کے روزے:

صَوْمُ سِتٍّ مِنْ شَوَّالٍ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ كَرَاهَتُهُ وَعَامَّةُ الْمَشَايِخِ لَمْ يَرَوْا بِهِ بَأْسًا وَاخْتَلَفُوا فَقِيلَ الْأَفْضَلُ وَصْلُهَا بِيَوْمِ الْفِطْرِ وَقِيلَ بَلْ يُفَرِّقُهَا فِي الشَّهْرِ وَجْهُ الْجَوَازِ أَنَّهُ وَقَعَ الْفَصْلُ بِيَوْمِ الْفِطْرِ فَلَمْ يَلْزَمْ التَّشَبُّهُ بِأَهْلِ الْكِتَابِ وَجْهُ الْكَرَاهَةِ أَنَّهُ قَدْ يُفْضِي إِلَى اعْتِقَادِ لُزُومِهَا مِنْ الْعَوَامّ لِكَثْرَةِ الْمُدَاوَمَةِ وَلِذَا سَمِعْنَا مَنْ يَقُولُ يَوْمَ الْفِطْرِ نَحْنُ إِلَى الْآنِ لَمْ يَأْتِ عِيدُنَا أَوْ نَحْوُهُ فَأَمَّا عِنْدَ الْأَمْنِ مِنْ ذَلِكَ فَلَا بَأْسَ لِوُرُودِ الْحَدِيثِ۔[1]

یعنی: شوال کے چھ روزے ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ ہیں اور انکی دلیل ہے کہ عامۃ الناس یہ نہ سمجھ لیں کہ شوال کے روزے رمضان کی طرح فرض ہیں۔ لیکن عامۃ مشائخ احناف کے نزدیک شوال کے چھ روزے رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے ان عامۃ مشائخ کے بھی دو گروہ ہیں ایک کہتے ہیں کہ عید الفطر کے بعد متصلاً رکھیں جاسکتے ہیں

---

[1] تبيين الحقائق وحاشية الشلبي – 1 / 332 ، تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق – 4 / 128

اور دوسرے کہتے ہیں کہ چھ روزے شوال کے مہینے میں متفرق ہی رکھے جائیں تاکہ اہلِ کتاب کی تشبیہ نہ ہو سکے جبکہ اوّل الذکر جواب دیتے ہیں کہ عید الفطر کے دن کے وقفہ سے اہلِ کتاب کا تشبّہ باقی نہیں رہتا۔ اگر کوئی شخص ان دونوں شبہات سے محفوظ رہ کر شوال کے روزے رکھتا ہے تو وارد احادیث کی روشنی میں [جو شوال کے روزوں کی فضیلت میں اوپر بیان کی گئی ہیں] روزے رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(2) مالکیہ کے نزدیک شوال کے روزے:

امام مالک رحمہ اللہ سے بھی کراہیت کا قول منسوب ہے۔ كَرِهَ مَالِكٌ صِيَامَهَا لِئَلَّا يُلْحِقَ أَهْلُ الْجَهْلِ ذَلِكَ بِرَمَضَانَ ، وَأَمَّا مَنْ رَغِبَ فِي ذَلِكَ لِمَا جَاءَ فِيهِ فَلَمْ يَنْهَهُ ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ وَأَحْكَمُ۔[1]

یعنی: انکو [شوال کے روزوں کو] مالک نے مکروہ کہا ہے تاکہ جہلاء یہ نہ سمجھ سکیں کہ شوال کے روزے بھی رمضان کی طرح فرض ہیں، لیکن جو وارد احادیث کی روشنی میں روزوں کی رغبت رکھے تو اسے منع نہیں کیا، اللہ تعالیٰ ہی سب سے زیادہ جاننے والا اور سب سے صحیح فیصلہ کرنے والا ہے۔

امام ابو عمر ابن عبد البر رحمہ اللہ جو کہ مالکی مذھب کے مشہور عالم ہیں اسی بارے میں رقم طراز ہیں:

قال أبو عمر لم يبلغ مالكا حديث أبي أيوب على أنه حديث مدني والإحاطة بعلم الخاصة لا سبيل إليه والذي كرهه له مالك أمر قد بينه وأوضحه وذلك خشية أن يضاف إلى فرض رمضان وأن يستبين ذلك إلى العامة وكان – رحمه الله – متحفظا كثير الاحتياط للدين -

وأما صيام الستة الأيام من شوال على طلب الفضل وعلى التأويل الذي جاء

---

[1] المنتقى – شرح الموطأ – 2 / 212 ، فقه العبادات على المذهب المالكي – 1 / 324

به ثوبان – رضي الله عنه – فإن مالكا لا يكره ذلك إن شاء الله-[1]

ابو عمر کہتے ہیں کہ مالک رحمہ اللہ کو ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی حدیث مدنی ہونے کے باوجود نہیں پہنچی کیونکہ ایک مخصوص شخص میں تمام علم کا احاطہ ممکن نہیں جن روزوں کو امام مالک نے مکروہ کہا ہے اسے انہوں نے واضح کر دیا ہے کہ رمضان کے فرضی روزوں کے ساتھ ملنے کا اندیشہ ہے اور عوام الناس کیلئے اسے واضح کرنا ضروری ہے۔ امام مالک دینی معاملات میں بہت زیادہ احتیاط کرنے والے شخص تھے۔ اور شوال کے چھ روزے فضیلت کے حصول کیلئے ہیں جو ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہوا ہے، امام مالک اسے مکروہ نہیں سمجھتے تھے ان شاء اللہ۔

(3) شافعیہ کے نزدیک شوال کے روزے:

صوم ست من شوال لحديث عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال : "من صام رمضان ثم أتبعه ستا من شوال كان كصيام الدهر ". والأفضل صومها متصلة بيوم العيد متتابعة ولكن تحصل السنة بصومها غير متصلة به ولا متتابعة-[2]

یعنی: شوال کے چھ روزے ابو ایوب انصاری کی مندرجہ بالا حدیث سے ثابت ہیں اور افضل یہ ہے کہ عید الفطر کے اگلے دن سے متصلا رکھے جائیں اور اگر متفرق بھی رکھے جائیں تو بہر حال سنّت پر عمل ہو جائے گا۔

(4) حنابلہ کے نزدیک شوال کے روزے:

ويسن صوم ست من شوال؛ لقول النبي صلّى الله عليه وسلّم: "من صام رمضان وأتبعه ستاً من شوال فكأنما صام الدهر كله"- فيسن للإنسان أن يصوم ستة أيام

---

[1] الاستذكار - 3 / 380

[2] فقه العبادات – لمذهب الشافعي - 1 / 559

من شوال.[1]

یعنی: شوال کے چھ روزے ابو ایوب انصاری کی مندرجہ بالا حدیث سے ثابت ہیں، انسان کیلئے مستحب ہے کہ وہ شوال کے چھ روزے رکھے۔

شوال کے روزوں کے متعلق بعض اہم فتاویٰ جات:

شوال کے روزے مسلسل رکھے جائیں یا متفرق: شوال کے روزوں کے لئے یہ شرط نہیں کہ مسلسل رکھے جائیں، بلکہ انہیں متفرق اور مسلسل دونوں طرح رکھنا جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان روزوں کا مطلقاً کر فرمایا ہے اور اس بات کا کوئی ذکر نہیں کیا کہ انہیں مسلسل رکھا جائے یا علیحدہ علیحدہ۔[2]

رمضان کے روزوں کی قضا سے پہلے شوال کے چھ روزے:

جس شخص کے ذمہ رمضان کے کچھ روزوں کی قضا باقی ہو اور وہ شوال کے چھ روزے بھی رکھنا چاہتا ہو تو مسنون یہ ہے کہ شوال کے چھ روزوں سے پہلے رمضان کی قضا ادا کی جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''جس نے رمضان المبارک کے روزے رکھنے کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے''۔[3] اور اگر رمضان کے روزوں کی قضا سے پہلے شوال کے روزے رکھ لئے تو وہ رمضان کے بعد نہ ہوئے بلکہ رمضان کے بعض روزوں سے پہلے ہوئے اور پھر یہ کہ رمضان کے روزے تو فرض ہیں، لہٰذا پہلے انہیں مکمل کرنا افضل ہے۔[4]

شوال کے چھ روزوں کی قضاء: شوال کے یہ چھ روزے سنّت ہیں فرض نہیں، کیونکہ

---

[1] الشرح الممتع على زاد المستقنع - 6 / 464

[2] فتاویٰ اسلامیة: شیخ ابن باز ، صفحه:226-2

[3] صحیح مسلم كتاب الصيام ، باب استحباب صوم ستة ايام من الشوال ،حديث رقم:1164

[4] فتاویٰ اسلامیه: شیخ ابن باز ،صفحه:228-2-

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"جس نے رمضان المبارک کے روزے رکھنے کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ ایسا ہے جیسے پورے سال کے روزے ہوں"۔ [1] یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ یہ روزے مسلسل رکھے جائیں یا متفرق البتہ انہیں جلد رکھ لینا افضل ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: {وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ} [2] ترجمہ: اور اے میرے پروردگار! میں نے تیری طرف [آنے کی] جلدی اس لئے کی کہ تو خوش ہو۔

علاوہ ازیں دیگر بہت سی آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نیکی کے کاموں میں مسابقت اور مسارعت افضل ہے۔ ان روزوں کو ہمیشہ رکھنا واجب تو نہیں افضل ضرور ہے کیونکہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"أحب العمل إلى الله ما داوم عليه صاحبه وإن قلّ"** [3] ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو وہ عمل بہت پسند ہے جسے عمل کرنے والا ہمیشہ سرانجام دے خواہ وہ عمل کم ہی ہو۔

شوال کے ختم ہونے کے بعد ان روزوں کی قضاء نہیں ہے کیونکہ یہ روزے سنّت ہیں اب انکا وقت ختم ہو گیا خواہ وقت کسی کسی عذر کی وجہ سے ختم ہوا ہو یا بغیر کسی عذر کے۔ [4]

اللہ ربّ العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اعمالِ صالحہ کرنے اور ان پر مداومت و تسلسل اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین.

---

[1] صحيح مسلم كتاب الصيام ، باب استحباب صوم ستة ايام من الشوال ،حديث رقم:1164-سنن ترمذي ، باب ما جاء فی صيام ستة من الشوال حديث رقم:759-

[2] سورة طٰه الآية رقم: 84.

[3] صحيح البخارى ، الإيمان،باب احب الدين حديث رقم:43.

[4] فتاویٰ اسلامية: شيخ ابن باز ، صفحه:227-2.

آئین پاکستان

شراب کی ممانعت اور مروجہ قوانین

اختر سعید شیخ[1]

(آخری قسط)

پہلی قسط میں ہم نے کوشش کی تھی کہ امتناع شراب کا قانون جو کہ تضادات کا مجموعہ اور اپنی انفورسمنٹ[Enforcement] کے لحاظ سے کافی کمزور ہے اور آئین پاکستان میں وضع کردہ پالیسی کے مطابق نہیں ہے جیساکہ میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ دیگر منشیات جن میں ہیروئن، افیون، چرس، کیفین وغیرہ شامل ہیں انکے سدباب کیلئے بھی [Prohibition Order]سزائیں تجویز کی گئی ہیں اور ۱۹۹۷تک اسی ضابطہ قانون کے تحت سزائیں دی گئیں جوکہ ناکافی ثابت ہوئیں اور گورنمنٹ کو اسپیشل کنٹرول آف نارکوٹکس[Special control of Narcotic's] کی مخصوص عدالتیں قائم کرنا پڑیں جبکہ شراب کے کیس کی سماعت اسی قانون کے تحت ہوتی رہی اور نتیجتاً۵ تا۷ فیصد ملزموں سزا دی جاتی اور باقی باعزت بری ہوکر گھر چلے جاتے ہیں۔ اگر ہم قانون کی تعریف وتشریح میں جائیں تو اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قانون اندھا اور بہرہ ہوتا ہے جسکا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اسکا نفاذ سب پر یکساں طور پر ہوگا لیکن یہ امتیازی قانون ہے اور مختلف مواقع پر اسکا نفاذ مختلف ہے جسکی کمزوریوں سے چالاک اور عیّار ملزمان افسروں سے ساز باز کر کے فائدے اٹھاتے ہیں اور قانون کے شکنجے سے بچ نکلتے ہیں۔ پاکستان میں قوانین تو بنتے ہیں لیکن قانون بنانے والے خود

[1] Advocate High Court , Legal Consultant , Special Prosecutor (PCG Panel)

بھی عمل نہیں کرتے باقی لوگوں کو آپ چھوڑ دیں۔ جب پاکستان معرض وجود میں آیا تھا تب سے بہت سے قوانین نافذ ہیں جن میں بہت سی کات چھانٹ اور ترمیم کی ضرورت ہے لیکن کسی بھی ذمہ دار کو ایسا کرنے کی توفیق نہیں ہوئی اور ملزمان ان قوانین کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر سزا سے بچ جاتے ہیں۔

شراب نوشی سے متعلق قوانین کا ڈھانچہ اس طرح تشکیل دیا گیا ہے کہ یہ جرم مملکت کے خلاف سرزد ہوتا ہے تو اس میں مدعی مقدمہ [Complainant] بھی سرکاری ملازم ہوتا کیونکہ شراب نوشی سے کوئی ذاتی طور پر متاثر نہیں ہوتا اس لئے اس میں عام شہری مدعی [Complainant] نہیں بن سکتا اور اس کیس کا ٹرائل سرکاری مشینری پر ہی چھوڑ دیا گیا ہے جو لالچ میں آکر بدعنوانی کے مرتکب ہوتے ہیں اور کیس کو کمزور کر دیتے ہیں۔

قارئین کی معلومات میں اضافے کیلئے یہ بتاتا چلوں کہ ان جرائم کی سرکوبی کیلئے جن میں [Prohibition] انفورسمنٹ آف حد آرڈر اور پاکستان آرمز آرڈیننس ۱۹۶۵ شامل ہیں۔ ان میں ہمیشہ مقدمے کی مدعی سرکار ہوتی ہے اور یہ دونوں قوانین معاشرے کو جرم اور برائی سے پاک کرنے کیلئے بنائے گئے ہیں۔ تقریباً ۹۵ فیصد جرائم کے ارتکاب میں اسلحہ استعمال ہوتا ہے اور اسلحہ کی بازیابی کے روزانہ سینکڑوں مقدمات مختلف تھانوں میں درج ہوتے ہیں۔ ان مقدمات میں چونکہ سرکار مدعی ہوتی ہے اس لئے ملزمان کی ضمانت ہو جاتی ہے۔ یہاں پر ہمارے ملکی قانون میں تضاد ہے جس سے ملزمان بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں یہ کہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۰۳ میں واضح طور پر لکھا ہے کہ کسی بھی قسم کی تلاشی و بازیابی کرتے وقت علاقہ کے مکین جو کہ عام غیر سرکاری افراد ہو ان کو گواہ بنایا جائے ان کی جگہ پر جب کوئی پولیس کا ملازم یا دوسرے (Law & Enforcement) ادارے کا ملازم گواہ بنتا ہے تو اسکو قابل بھروسا گواہ نہیں سمجھا جاتا اور ملزم باعزت بری کر دیا جاتا ہے۔ اس میں میری

حکومت سے یہ تجویز ہے کہ کنٹرول آف نار کو ٹکس ایکٹ ۱۹۹۷ میں دفعہ ۲۵ شامل کر کے ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۰۳ کی نفی کی گئی ہے اسی طرح شراب نوشی اور اسلحہ آرڈیننس میں ترمیم کر کے دفعہ ۱۰۳ ضابطہ فوجداری کا نفاذ ختم کر کے سرکاری گواہان کو تسلیم کرنے کی شق شامل کی جائے۔ جس کی شمولیت سے ان قوانین کے تحت چلنے والے مقدمات کے ملزموں کو سزا دی جاسکے گی جو جرائم میں کمی کا سبب ہو گی ان شاء اللہ۔

اس سے پہلے میں دفعہ ۸، ۴، ۳ اور ۱۱ کے تحت ملنے والی سزا کا ذکر کر چکا ہوں لیکن مندرجا بالا جرائم کے نتیجے میں بر آمد [Recover] کی جانے والی شراب کے ضبط اور تلف کئے جانے کا کا ذکر کرنا باقی ہے۔ دفعہ ۱۵ شراب کے ضبط کئے جانے کے متعلق ہے۔ جس میں ہر صورت شراب کو بحقِ سرکار کرنے کا حکم دیا جاتا ہے کیونکہ اگر کسی ملزم کو اگر مجاز عدالت نے سزا سنادی تو بر آمدہ شراب ضبط کی جائے گی اور اگر مقدمے کے ملزموں کا پتہ نہ چلے یا انکی گرفتاری عمل میں نہ لائی جاسکی ہو تو بھی بر آمدہ [Recovered] شراب کو ضبط کرنے کا حکم دیا جاتا ہے مزید بر آں سرکار کی درخواست پر شراب کے تلف کئے جانے کا حکم نامہ جاری کر دیا جاتا ہے۔ اس میں بھی کچھ افسران عدالت کے حکم پر مکمل شراب کو تلف نہیں کرتے اور اپنے ریکارڈ میں تلف شدہ ظاہر کر دیتے ہیں۔ متعلقہ عدالت کو ہر مقدمے سے بر آمد شدہ شراب کو مقدمے کے اختتام پر یا دورانِ سماعت تلف کروانے کا اہتمام کرنا چاہئے، شراب سے متعلقہ مقدمات کے تفتیشی افسران کو بھی ہر مقدمے کی تفتیش قانون کے مطابق انتہائی ایمانداری اور مستعدی سے کرنی چاہئے اور شراب کی اسمگلنگ میں ملوث بڑے بڑے مگر مچھوں کو بھی قانون کے شکنجے میں لا کر بے نقاب کرنا چاہئے کیونکہ امتناعِ شراب کے

قانون میں دفعہ ۲۶ کی ذیلی دفعہ ۲ میں واضح طور پر اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جو شخص بھی شراب سے متعلقہ جرائم کی اعانت کرے گا اسے بمطابق 'حد' یا بمطابقِ 'تعزیر' سزا دی جائے گی۔

لیکن بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ [Abetment] کے طور پر بڑے بڑے ملزمان کو چالان نہیں کیا جاتا بلکہ بطور [Carrier] جو پکڑا گیا اُسے بھی کیس میں بطور ملزم پیش کر دیا جاتا ہے۔

اور تفتیش کا عمل بند کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ جو شخص موقعہ پر شراب کی اسمگلنگ کرتے پکڑا جائے تو بمطابق قانون اُسے بطور اقبالی گواہ کے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اور بڑے ملزمان کو عدالت کے کٹہرے میں لایا جا سکتا اور سزا دلوائی جا سکتی ہے۔

شراب کے امتناع قانون کے اندر ہی شراب کی خرید و فروخت کے لئے لائسنس جاری کرنے کی دفعات بھی شامل کی گئی ہیں جن میں شراب کے لائسنس کی طبّی مقاصد کے لئے اور دیگر کے لئے جاری کرنے کی وضاحت کی گئی ہے۔ جس کے اختیارات صوبائی حکومت کو دئے گئے ہیں، جو طبی، سائنسی، صنعتی اور ایسے ہی دیگر مقاصد کے لئے یا غیر مسلم پاکستانی کے لئے اس کے خاص تہواروں پر اور غیر ملکی، غیر مسلم کے لئے فروخت کی جا سکتی ہے۔ جاری کردہ لائسنس پر گورنمنٹ نے چیک اینڈ بیلنس کا طریقہ بھی وضع کیا ہے جس کے مطابق لائسنس ہولڈر کو لائسنس معطل کرنے کی سزا اور اگر وہ ان قوانین کی وضع کردہ شرائط و قواعد کی خلاف ورزی کرے گا تو اس کو لائسنس کی منسوخی یا معطلی کی سزا کے علاوہ کم از کم دو سال بمع جرمانہ اور زیادہ سے زیادہ عمر قید تک کی سزا دی جا سکتی ہے۔

امتناعِ شراب کے قوانین میں عادی مجرم کے ساتھ مزید سختی کرنے کے لئے دفعہ ۲۴ شامل کی گئی ہے جس میں اگر کوئی شراب کے قوانین کے تحت سزا یافتہ مجرم دوبارہ اس قانون کی خلاف

ورزی کرتے ہوئے مزید جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔ تو اس کو نئی تجویز کردہ سزا بمطابق امتناع شراب کے قوانین کے علاوہ مزید سابقہ سزا بھی شامل کر دی جائے گی۔ اس دفعہ کا مقصد صرف یہی ہے کہ عادی مجرمان بار بار امتناع شراب کے قوانین کی خلاف ورزی نہ کریں۔

امتناع شراب کا قانون شراب نوشی کے استعمال کو اور اس کی اسمگلنگ کو کم کرنے میں یا ختم کرنے میں ناکام رہا ہے۔ یہ بات بالکل عیاں ہے کہ امتناع شراب کے قانون میں کافی سقم موجود ہیں جن پر حکومت کو اپنی توجہ مبذول کرنی چاہئے تھی۔ اور اس میں ترمیم کرنے کی کافی گنجائش موجود ہے جیسا کہ میں پہلے اس سے متعلقہ تجویز بھی دے چکا ہوں کہ شہادت کی جانچ کرنے کے لئے اور سرکاری ملازمین کو قابل دید گواہ تسلیم کرنے کی ترمیم کی جانی چاہئے۔ دوسرا اہم نقطہ یہ ہے کہ ہماری عدالتیں بذریعہ "حد" کیس کی سماعت کرنے کو ترجیح نہیں دیتی ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ "حد" کے لئے جو شہادت درکار ہے وہ تزکیۃ الشھود کے معیار پر پوری نہیں اترتی۔ اور آج کل کے دور میں تزکیۃ الشھود کی خوبیوں کا حامل ہونا کافی مشکل ہے۔ لہذا سزا دینے کے لئے بذریعہ تعزیر ہی کیس کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔

آخر میں میری گورنمنٹ کے اعلیٰ حکام سے گذارش ہے کہ شراب کی ترسیل کرنے والے ملزمان کو آہنی ہاتھوں سے نمٹا جائے اور اس کی [Consumption] حوصلہ شکنی ہونی چاہئے۔ اور [Prohibition] انفورسمنٹ حد آرڈر کا غلط استعمال روکنے کے اقدامات کئے جائیں۔

وصلی اللّٰہ و سلم علی نبینا محمد و علی آلہ وصحبہ أجمعین

تعلیم و تربیت

بچوں کی تربیت کا طریقہ نبوی ﷺ

پیدائش سے بلوغت تک

تألیف: عبد اللہ بن عبد العزیز البکری
ترجمہ و تلخیص: خالد حسین گورایہ

زیر نظر مضمون دراصل عالم عرب کے مؤلف عبد اللہ بن عبد العزیز بن محمد البکری حفظہ اللہ کی کتاب ”هدي النبي صلى الله عليه وسلم في تربية الأطفال “(بچوں کی تربیت کا طریقہ نبوی ﷺ) کی تلخیص وترجمہ ہے۔ مذکورہ کتاب میں بچوں کی ولادت سے لیکر سنِ بلوغت تک کے مختلف مراحل میں تربیت کے حوالے سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اپنے موضوع میں انتہائی مفید و نایاب کتاب ہے جو کہ عربی زبان میں شائع ہو چکی ہے۔ موضوع کی افادیت کے پیشِ نظر مذکورہ کتاب سے چند اہم عناوین کو اردو قالب میں ڈھال کر قارئین کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کی کاوشوں کو قبول و منظور فرمائے اور اس عظیم کام کو ان کے لئے توشہ آخرت بنائے۔(ادارہ)

بچے کے کان میں آذان:

ولادت کے فوراً بعد جو سب سے پہلے کام سرانجام دیا جاتا ہے وہ بچے کے دائیں کان میں اذان ہے نبی اکرم ﷺ سے صحیح حدیث سے ثابت ہے ابو رافع فرماتے ہیں : رأيت رسول الله ﷺ أذن فی أذن الحسن ابن علی حين ولدته فاطمةرضي الله عنهم۔ ”[1]
میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے کان میں اذان دی جب فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ان کی ولادت ہوئی۔

[1] أبوداؤد :كتاب الأدب ، باب في الصبي يولد فيؤذن في أذنه . الترمذي : كتاب الأضاحي ، باب الأذان في أذن المولود . (امام ترمذی رحمہ اللہ مذکورہ حدیث سے متعلق فرماتے ہیں: ھذا حدیث حسن صحیح)

بچے کو تحنیک (گھٹی) دینا۔

عن عائشة رضي الله عنها أن رسول الله ﷺ كان يؤتى بالصبيان فيبرك عليهم ويحنكهم۔ [1]

ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (نوزائیدہ) بچے لائے جاتے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے برکت کی دعا کرتے اور ان کے تحنیک کرتے۔

عن أبی موسی رضي الله عنه قال : ولد لي غلام فأتيت النبي ﷺ فسماه ابراهيم ، وحنكه بتمرة ، ودعا له بالبركة ، ودفعه إليّ ، وكان أكبر ولد أبي موسى - [2]

ترجمہ: ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے بیٹا پیدا ہوا تو میں اسے لیکر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کا نام ابراھیم رکھا، اور اسے کھجور کی گھٹی دی۔ اور اس کے لئے برکت کی دعا کی پھر میرے سپرد کر دیا۔ یہ ابو موسیٰ کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔

ساتویں دن بچے کا سر مونڈنا اور عقیقہ کرنا۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے: **الغلام مرتهن بعقيقته ، يذبح عنه يوم السابع ، ويسمى ، ويحلق رأسه -** [3]

ترجمہ: رسول اللہ نے فرمایا لڑکا اپنے عقیقے کے ساتھ مرتبط ہے (یعنی رہن ہے) لہذا چاہیے کہ ساتویں دن اس کا عقیقہ کر دیا جائے اور پھر اس کا نام رکھ کر سر منڈوایا جائے۔

بچے کے بالوں کے برابر وزن کی چاندی صدقہ کرنا۔

علی بن ابی طالب رضي اللہ عنہ سے روایت ہے قال :" **عق رسول الله ﷺ عن**

---

[1] :صحيح مسلم ، كتاب الآداب ، باب استحباب تحنيک المولود۔

[2] :صحيح البخارى ، كتاب العقيقة ، باب تسمية المولود غداة يولد لمن لم يعق، وتحنيكه -

[3] سنن الترمذي ، كتاب الأضاحى ، باب من العقيقة ، أبوداؤد : الضحايا ،

الحسن بشاة ، وقال : يا فاطمة احلقى رأسه وتصدقي بزنة شعره فضة، فوزنته فكان وزنه درهما أو بعض درهم ". [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن کا ایک بکری سے عقیقہ کیا اور فرمایا اے فاطمہ اس کے سر کے بال منڈواؤ اور ان کے برابر چاندی تول کر صدقہ کرو۔ چنانچہ انہوں نے تولا تو وہ ایک درہم کے برابر یا اس سے کچھ کم تھے۔

تنبیہ: بچے کے سر مونڈنے کے حوالے سے ایک بری اور گمراہی پر مبنی عادت ورسم لوگوں میں رائج ہو گئی ہے کہ بچے کے سر کے کچھ حصے کے بال کاٹ دئے جاتے ہیں اور کچھ حصے کے چھوڑ دئے جاتے ہیں۔ جبکہ نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اس قبیح فعل سے منع فرمایا ہے [2]

بچے کا اچھا نام رکھنا۔

بچے کا نام رکھنا مسنون عمل ہے کیوں کہ نام انسان کی پہچان ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ہے: {وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ} [3]

ترجمہ: اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔

اچھے نام کا انتخاب ضروری ہے: نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اپنے صحابہ کو اپنے بچوں کے اچھے نام رکھنے کی تلقین کی ہے۔ کیونکہ بسا اوقات نام کی مسمی پر تاثیر ہوتی ہے اچھے نام والے شخص کو اس کا نام اچھے کاموں پر راغب ہونے پر معاون ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے نام کی لاج رکھنے کیلئے اچھے کاموں پر راغب ہو گا۔

---

[1] الترمذي ، كتاب الأضاحي ، باب العقيقة بشاة - اس روایت کو شیخ البانی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے۔ (صحيح الجامع ، 2: 1318)

[2] ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں : أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن القزع- کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قزع سے منع فرمایا ہے۔ سر کے کچھ حصے کے بال کاٹ دئے جائیں اور کچھ کے چھوڑ دئے جائیں اسے عربی زبان میں "قزع" کہا جاتا ہے۔ (مترجم)

[3] آل عمران:36

سب سے اچھے نام عبد اللہ اور عبد الرحمٰن ہیں یعنی ایسے نام جن میں عبودیت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **" أحب الأسماء الی الله تعالیٰ : عبد الله وعبد الرحمٰن "** [1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب نام عبد اللہ اور عبد الرحمٰن ہیں۔

اسی طرح غلط نام کی بچے کی تربیت پر غلط تاثیر ہوتی ہے۔ اسی بنا پر قرآن کریم میں مختلف قسم کے القابات سے نوازنے اور پکارنے سے منع فرمایا گیا ہے: **{وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ}** [2]

ترجمہ: اور نہ ایک دوسرے کا برا نام (رکھو) ایمان لانے کے بعد برا نام رکھنا گناہ ہے۔

نیز نبی اکرم ﷺ نے بھی برے اور غلط معانی پر مشتمل نام رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **لا تسمين غلامك يساراً ولا رباحاً ولا نجيحاً ولا أفلح ، فإنك تقول أثم هو ؟ فلا يكون ، فيقال : لا . "** [3]

ترجمہ: اپنے غلام کا نام رباح (نفع) یسار (سہولت) نجیح (کامیابی) اور افلح (فلاح و کامیابی) نہ رکھو کیونکہ تم اسے کہوگے کہ کیا وہ ہے یہاں؟ دوسرا کہے گا نہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا یہ معمول ہوا کرتا تھا کہ اگر کسی کا برا نام رکھا ہوا ہوتا تو اسے اچھے نام میں تبدیل کر دیتے تھے۔

جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: **أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان**

---

[1] صحيح مسلم ، كتاب الأدب ، باب النهي عن التكني بأبى القاسم ، وبيان ما يستحب - الترمذي ، كتا ب الأدب ، ابوداؤد ، كتاب باب تغيير الأسماء -

[2] الحجرات:11

[3] صحيح مسلم ، كتاب الآداب ، باب كراهية التسمية بالأسماء القبيحة .

يغير الإسم القبيح إلى الاسم الحسن ." [1]

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برے ناموں کو اچھے ناموں میں بدل دیا کرتے تھے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے رویت ہے کہ: **أن رسول الله صلى الله عليه وسلم غير اسم عاصية فقال : " أنت جميلة . "** [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، عاصیہ، نام والی عورت کا نام بدل دیا اور فرمایا کہ تو"جمیلہ" ہے۔(عاصیہ کے معنی نافرمانی کرنے والی اور جمیلہ کے معنی خوبصورت کے ہیں)

بچے کی سنت کرنا:

سنت کرنا یہ سننِ فطرہ میں سے ہے: ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **"الفطرة خمس : الختان ، والإستحداد وقص الشارب ، وتقليم الأظافر ، ونتف الإبط . "** [3]

ترجمہ: پانچ چیزیں فطری ہیں، ختنہ کرنا، زیر ناف بالوں کا مونڈنا، مونچھوں کا کتروانا، ناخن تراشنا، اور بغلوں کے بال اکھاڑنا۔

سنت سے متعلق جمہور اہل علم کی صحیح رائے یہ ہے کہ اس کا کوئی وقت مقررہ نہیں ہے۔ بلکہ شریعت کی طرف سے اس میں وسعت رکھی گئی ہے۔ لہذا بچے کی سنت ساتویں دن بھی کی جاسکتی ہے، یا اس کے بعد بھی اور اگر کسی عذر کی بنا پر بلوغت کے قریب تک مؤخر کرنا چاہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ضروری یہ ہے کہ بلوغت سے پہلے پہلے بچے کی سنت کر دینا چاہئے۔

بچے کی رضاعت(دوھ پلانے) کا اہتمام کرنا۔

رضاعت کا حکم قرآن مجید کی آیات میں صراحت سے بیان ہوا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ

---

[1] سنن الترمذي ، باب ماجاء في تغيير الأسماء .

[2] صحيح مسلم ، كتاب الآداب ، باب استحباب تغيير الإسم القبيح إلى حسن .

[3] صيح البخاري ، كتاب اللباس ، باب قص الشارب .

ہے: {وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ} [1]

ترجمہ: مائیں اپنی اولاد کو دو سال کامل دودھ پلائیں جن کا ارادہ دودھ پلانے کی مدت بالکل پوری کرنے کا ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ماؤں کو حکم دیا ہے کہ وہ بچوں کو مکمل طور پر دودھ پلائیں جس کی مدت دو سال ہے۔ لہذا دو سال کے بعد کی رضاعت کا کوئی اعتبار نہیں۔

عقیدہ وایمان پر بچوں کی تربیت کا طریقہ نبوی ﷺ

دینِ توحید دینِ فطرت ہے۔ ہر شخص کی فطرت میں یہ چیز ودیعت کی گئی ہے۔ اس کے بعد اس کے والدین اس کے مذہب کی تبدیلی کا باعث بنتے ہیں۔ نبی ﷺ نے بچوں کی توحید وسنت پر تربیت کے حوالے سے جو ہماری رہنمائی فرمائی ہے وہ ذیل میں پوائنٹس کی صورت میں پیش کی جاتی ہے۔

ا: بچے کو کلمہ توحید (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ) کی تلقین کرانا۔

جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم ونحن فتيان حزاورة فتعلمنا الإيمان قبل أن نتعلم القرآن ، ثم تعلمنا القرآن فازددنا به إيماناً ".** [2]

ترجمہ: ہم نوجوانی کی حالت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے ہم نے ایمان سیکھ لیا قبل اس کے قرآن سیکھیں پھر ہم نے قرآن سیکھا اس کی وجہ سے ہم ایمان میں بڑھ گئے۔

اس روایت سے واضح ہوا کہ نبی ﷺ صحابہ کرام کے بچوں کی ایمانی تربیت کیا کرتے تھے تاکہ جب وہ قرآن کو سمجھنے لگیں تو اس پر عمل پیرا ہو جائیں اور ایمان بڑھنے لگے۔

---

[1] البقرۃ:233

[2] ابن ماجه ، المقدمة ، باب في الإيمان ، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

یہ والدین پر واجبات میں سے ہے کہ وہ بچے کو ہوش سنبھالتے ہی کلمہ توحید اور درسِ ایمان کی تلقین شروع کر دیں۔

بچوں کی عقیدہ توحید اور ایمانیات پر تربیت کا درس ہمیں قرآن کریم سے بھی واضح طور پر ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے (لقمان علیہ السلام) کی اپنے بیٹے کو وصیت کو نقل کرتے ہوئے فرمایا: {يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَاوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ}[1]

ترجمہ: پیارے بیٹے! اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو پھر وہ (بھی) خواہ کسی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو اسے اللہ تعالیٰ ضرور لائے گا اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین اور خبر دار ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ جب چھوٹے ہوا کرتے تھے تو ایک دفعہ نبی ﷺ نے انہیں اپنے پیچھے سواری پر بٹھایا اور پھر یہ تعلیم دی: **يا غلام إني أعلمک كلمات احفظ الله يحفظک احفظ الله تجده تجاهک إذا سألت فاسأل الله وإذا استعنت فاستعن بالله واعلم أن الأمة لو اجتمعت على أن ينفعوک بشئ لم ينفعوک إلا بشي قد كتبه الله لک ولو اجتمعوا على أن يضروک بشئ لم يضروک إلا بشئ قد كتبه الله عليک رفعت الأقلام وجفت الصحف۔**[2]

ترجمہ: اے لڑکے میں تمہیں چند باتیں سکھاتا ہوں وہ یہ کہ ہمیشہ اللہ کو یاد رکھ وہ تجھے محفوظ رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھ اسے اپنے سامنے پائے گا۔ جب مانگے تو اللہ تعالیٰ سے مانگ اور اگر مدد طلب کرو تو صرف اسی سے مدد طلب کرو اور جان لو کہ اگر پوری امت اس بات پر متفق ہو جائے کہ تمہیں کسی چیز میں فائدہ پہنچائیں تو بھی وہ صرف اتنا ہی فائدہ پہنچا سکیں گے

---

[1] لقمان:16

[2] أخرجه الترمذي : أبواب صفة القيامة .

جتنا اللہ تعالی نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے اور اگر تمہیں نقصان پہنچانے پر اتفاق کر لیں تو ہر گز نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر وہ جو اللہ تعالی نے تیرے لیے لکھ دیا۔ اس لیے کہ قلم اٹھا دیئے گئے اور صحیفے خشک ہو چکے۔

یہاں آپ ﷺ نے بچے کو یہ تعلیم دی کہ اگر سوال کرنا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ سے، اور اگر مدد مانگنی ہے تو وہ بھی صرف اکیلئے اللہ تعالیٰ سے۔

۲: بچے کے دل میں نبی ﷺ کی محبت پختہ کرانا۔

عقیدہ توحید کے ساتھ ساتھ بچے کے دل میں نبی کریم ﷺ کی محبت پیدا کرنا بچے کی اس نہج پر تربیت کرنا بھی ماں باپ کے فرائضِ منصبی میں شامل ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :" **أن رسول الله ﷺ قال : والذی نفسي بیده ، لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب الیه من والده وولده والناس أجمعین"-** [1]

لہذا بچوں کو نبی ﷺ کے فضائل آپ ﷺ کا ادب، آپ ﷺ کی اطاعت اور آپ کے اوامر کی فرمانبرداری اور سنت کی پیروی کی اہمیت بتانا ضروری ہے۔

اور بچوں کی تربیت میں سب سے مؤثر پہلو والدین کا بذات خود نمونہ ہونا ضروری ہے۔ والدین خود اگر سنت کا اہتمام کریں آپ ﷺ کی مخالفت سے گریز کریں تو یہ چیز بچے کی تربیت میں سب سے مؤثر ہے۔ لہذا والد اگر داڑھی نہ کاٹے، والدہ نقاب کا اہتمام کرے، تو یہ چیز بچے کی تربیت میں مدد ومعاون ثابت ہوتی ہے۔

صحابہ کرام ﷺ اپنے بچوں کی تربیت کرتے اور نبی ﷺ کی احادیث یاد کراتے۔

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں : لقد کنت علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم غلاما ، فکنت أحفظ عنه ، فما یمنعنی من القول الا أن هاهنا رجالاهم أسن مني -'' [2]

---

[1] صحیح البخاري ، کتاب الایمان ، باب حب الرسول صلی الله علیه وسلم من الایمان

[2] صحیح المسلم ، کتاب الجنائز ، باب أین یقوم الامام من المیت للصلاة علیه.

ترجمہ: میں نبی ﷺ کے دور میں بچہ تھا۔ میں آپ ﷺ کی حدیثیں یاد کرلیا کرتا تھا۔ مگر مجھے ان حدیثوں کے بیان کرنے سے صرف یہی چیز روکتی تھی کہ وہاں مجھ سے بڑی عمر کے لوگ موجود ہوتے تھے۔

بچوں کو قرآن مجید سے محبت اور اس کی تعلیم کا اہتمام کرنا۔

شیخ عبد اللہ سراج الدین فرماتے: ومقصود تعليم الصغار القرآن ليتوجهوا الى الاعتقاد بأن الله هو ربهم، وأن هذا هو كلامه تعالىٰ ، ،وتسرى روح القرآن فى قلوبهم --،،[1]

ترجمہ: چھوٹے بچوں کو قرآن مجید سکھانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس عقیدہ کی جانب متوجہ ہو جائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا رب ہے۔ اور یہ (قرآن) اس کا کلام ہے۔ اس سے قرآن مجید کی روحانیت ان بچوں میں سرایت کرجائے گی۔۔۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **ضمنى رسول الله ﷺ وقال: اللهم علمه الكتاب ۔ ،،**[2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مجھے لپٹا لیا اور فرمایا کہ اے اللہ اس کو (اپنی کتاب) کا علم عطا فرما۔

عبادت کی ادائیگی کیلئے بچوں کی تربیت کا طریقہ نبوی ﷺ

بچوں کو اذان اور نماز کا طریقہ سکھانا:

ابی محذورہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے میری آواز سنی اور مجھے اپنے پاس بلایا میری پیشانی پر ہاتھ پھیرا پھر مجھے اذان سکھائی۔[3]

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **"مروا أبناءكم**

---

[1] تلاوة القرآن المجيد ، شيخ عبد الله سراج الدين

[2] صحيح البخارى ، كتاب العلم ، باب قول النبى ﷺ اللهم علمه الكتاب

[3] صحيح مسلم ، كتاب الصلاة ، باب صفة الأذان

بالصلاة لسبع ، واضربوهم عليها لعشر --- " [1]

" تمہارے بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز کا حکم کرو۔ اور دس سال کی عمر میں (نماز نہ پڑھنے پر) ان پر سختی کرو"۔

والد اگر بچوں کو اپنی معیت میں مسجد لے جائیں تو بچہ صغر سنی سے اس امر کا عادی ہو جاتا ہے کہ وہ مسجد میں جماعت سے نماز ادا کرے۔ اس لئے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ائمہ کو جو ہدایت کی ان ہدایات میں سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ نماز زیادہ لمبی نہ کریں اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ **:" فان من ورائه الكبير والصغير وذا الحاجة " -** [2]

" (اسے چاہئے کہ نماز مختصر کرے) کیونکہ اس کے پیچھے بڑی عمر والے اور بچے اور اصحابِ حاجت بھی ہوتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ " میں (چھوٹی عمر میں) ایک مرتبہ اپنی خالہ میمونہ کے پاس رات ٹھہرا، آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ گھر میں رات تاخیر سے آئے اور آتے ہی سوال کیا کہ : **"أصلى الغلام "**. کیا بچے نے نماز پڑھ لی ہے؟قالوا نعم:جواب ملا کہ جی ہاں۔۔۔"۔ [3]

امام بخاری رحمہ اللہ نے نے اپنی صحیح میں باب باندھا ہے " باب خروج الصبيان إلى المصلى "

بچوں کا عید گاہ کی جانب نکلنا:

اس ضمن میں انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل فرمائی ہے:**"خرجت مع النبي صلى الله عليه وسلم يوم فطر أو أضحى، فصلى ثم خطب ، ثم أتى النساء فوعظهن وذكرهن وأمرهن بالصدقة " .** [4]

---

[1] أبوداؤد ، حديث : 495 ،

[2] صحيح البخارى ، كتاب الأذان ، باب تخفيف الامام فى القيام

[3] سنن ابي داؤد ، أبواب قيام اليل ، باب في صلاة الليل -

[4] البخاري ، كتاب العيدين .

ترجمہ: کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں عید الفطر یا عید الاضحی کے دن نکلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی پھر خطبہ دیا پھر عورتوں کے پاس آئے انہیں نصیحت کی اور انہیں صدقہ دینے کا حکم دیا۔

بچوں کو روزے رکھنے کی تربیت دینا:

عن الربيع بنت معوذ قالت : "أرسل النبي صلى الله عليه وسلم غداة عاشوراء إلى قرى الأنصار من أصبح مفطرا فليتم بقية يومه ومن أصبح صائما فليصم قالت فكنا نصومه بعد ونصوم صبياننا ونجعل لهم اللعبة من العهن فإذا بكى أحدهم على الطعام أعطيناه ذاک حتى يكون عند الإفطار" . [1]

ترجمہ: ربیع بنت معوذ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کی صبح انصار کے گاؤں میں کہلا بھیجا۔ جس نے صبح اس حال میں کی ہو کہ روزے سے نہ ہو تو وہ اپنا باقی دن پورا کرے اور جو شخص روزہ دار ہو تو وہ روزہ رکھے۔ ربیع کا بیان ہے کہ اسکے بعد ہم لوگ خود روزہ رکھتے اور اپنے بچوں کو روزہ رکھواتے اور ہم ان کے لئے روئی کی گڑیا دیتے یہاں تک کہ افطار کا وقت آجاتا۔

بچوں کو حج کی ادائیگی کی تربیت دینا:

سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : **"حج بي مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في حجة الوداع ، وأنا ابن سبع سنين ".** [2]

ترجمہ: کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کرایا گیا اور اس وقت میری عمر سات برس کی ہوگی۔

---

[1] البخاري ،كتاب الصوم ، باب صوم الصبيان

[2] البخاري ، كتاب جزاء الصيد ، باب حج الصبيان

بچوں کی اخلاقی تربیت کا طریقہ نبوی ﷺ

اخلاقی تربیت اسلامی تربیتی پہلوؤں میں سب سے اہم پہلو ہے۔ اخلاق بچہ اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں، رشتہ داروں اور معاشرے سے سیکھتا ہے۔ نبی کریم ﷺ اخلاق کے بہت اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ: {وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ }[1]

آپ اخلاق کے بہت اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔

اسلام نے اخلاقِ فاضلہ کی اشاعت کی بہت ترغیب دی ہے۔ اخلاق کے نمایاں پہلوؤں میں سچائی، امانت داری، حیاء، کرم، عدل وانصاف وغیرہ شامل ہیں۔ اسی طرح اسلام نے برے اخلاق کی بیخ کنی کی ہے اور انہی ترک کرنے کا حکم دیا ہے۔ جن میں جھوٹ، خیانت، دھوکہ دہی، حسد، ظلم اور غرور شامل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس کے اخلاق بہتر ہوں“۔[2]

ایک اور روایت میں ہے: عن أبي الدرداء أن النبي صلى الله عليه وسلم قال مامن شئ أثقل في ميزان المؤمن يوم القيامة من خلق حسن وإن الله ليبغض الفاحش البذي ".[3]

ترجمہ: سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مومن کے میزان میں اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہیں ہوگی اس لیے کہ بے حیا اور فحش گو شخص سے اللہ تعالی نفرت کرتا ہے۔

آپ ﷺ کا بچوں کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا:

آپ ﷺ بچوں کے ساتھ انتہائی تواضع اور نرم دلی کا معاملہ کیا کرتے تھے۔ ان سے مذاق

---

[1] القلم:4

[2] متفق علیه

[3] الترمذي ، أبواب البر والصلة ، باب ماجاء في حسن الخلق

کرتے، ہنستے تھے۔ انہیں اپنی سواری پر بٹھاتے، اپنے کندھوں پر اٹھاتے، انہیں کھلاتے۔
اس کی چند ایک مثالیں ذیل میں بیان کی جاتی ہیں۔

۱: عن أنس قال :"كان النبي صلى الله عليه وسلم أحسن الناس خلقا وكان لي أخ يقال له أبو عمير قال أحسبه فطيما وكان إذا جاء قال يا أبا عمير ما فعل النغير ؟نغير كان يلعب به فربما حضر الصلاة وهو في بيتنا فيأمر بالبساط الذي تحته فيكنس وينضح ثم يقوم ونقوم خلفه فيصلي بنا" . [1]

ترجمہ: انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ، فرماتے ہیں: کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخلاق کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے اچھے تھے، اور میرا ایک بھائی تھا جس کو ابو عمیر کہا جاتا تھا راوی کا بیان ہے کہ غالبا اس کا دودھ چھٹ چکا تھا جب وہ آتا تو آپ فرماتے اے ابو عمیر نغیر کو کیا ہوا نغیر ایک پرندہ تھا جس کے ساتھ وہ کھیلتا تھا اور اکثر نماز کا وقت ہوتا اور آپ ہمارے گھر میں ہوتے جس فرش پر آپ تشریف فرما ہوتے اس کے جھاڑنے اور صاف کرنے کا حکم دیتے پھر آپ (نماز کے لئے) کھڑے ہو جاتے ہم بھی آپ پیچھے کھڑے ہو جاتے اور آپ ہمیں نماز پڑھاتے۔

۲: عن أنس قال :"قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم يا ذا الأذنين ". [2]

انس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (مذاقا) مجھ سے فرمایا کہ اے دو کانوں والے فرمایا کہ (کیونکہ دو کان تو ہر ایک کے ہوتے ہیں)۔

۳: عن ابن عباس رضي الله عنهما:"أن أسامة بن زيد كان ردف النبي صلى الله عليه و سلم من عرفة إلى المزدلفة ثم أردف الفضل من المزدلفة إلى منى فكلاهما قال:لم يزل النبي صلى الله عليه و سلم يلبي حتى رمى جمرة

---

[1] البخاري ،كتاب الأدب ،باب الكنية للصبي

[2] أبوداؤد ، كتاب الأدب ، باب ماجاء في المزاح

العقبة". [1] ترجمہ: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عرفات سے مزدلفہ تک تو اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے بیٹھے رہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزدلفہ سے منیٰ تک فضل رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھالیا تھا، اور ان دونوں کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برابر لبیک کہتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمرہ عقبہ پر کنکری ماری (یعنی قربانی کے دن جب جمرہ عقبہ پر پہلی ہی کنکری ماری تو تلبیہ موقوف کردیا)

۴ : عن عبد الله بن شداد عن أبيه قال :"خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم في إحدى صلاتي العشاء وهو حامل حسنا أو حسينا فتقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم فوضعه ثم كبر للصلاة فصلى فسجد بين ظهراني صلاته سجدة أطالها قال أبي فرفعت رأسي وإذا الصبي على ظهر رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو ساجد فرجعت إلى سجودي فلما قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم الصلاة قال الناس يا رسول الله إنک سجدت بين ظهراني صلاتک سجدة أطلتها حتى ظننا أنه قد حدث أمر أو أنه يوحى إليک قال كل ذلک لم يكن ولكن ابني ارتحلني فكرهت أن أعجله حتى يقضي حاجته" . [2]

ترجمہ: عبداللہ بن شداد سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز عشاء ادا کرنے کیلئے باہر تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت سیدنا امام حسن یا امام حسین کو گود میں اٹھائے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت آگے بڑھے (نماز کی امامت فرمانے کیلئے) اور ان کو بٹھلایا زمین پر پھر نماز کے واسطے تکبیر فرمائی اور نماز

---

[1] البخاري ، الحج ، باب الركوب والارتداف

[2] النسائي ، كتاب التطبيق ، باب: هل يجوز أن تكون سجدة أطول من سجدة ؟

شروع فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے درمیان ایک سجدہ میں تاخیر فرمائی تو میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ صاحب زادے (یعنی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت مبارک پر ہیں اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت سجدہ میں ہیں۔ پھر میں سجدہ میں چلا گیا جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے دوران ایک سجدہ ادا فرمانے میں تاخیر فرمائی۔ یہاں تک کہ ہم لوگوں کو اس بات کا خیال ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کسی قسم کا کوئی حادثہ پیش آ گیا یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہو گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایسی کوئی بات نہیں تھی میرا لڑکا (نواسہ) مجھ پر سوار ہوا تو مجھ کو (برا) محسوس ہوا کہ میں جلدی اٹھ کھڑا ہوں اور اس کی مراد (کھیلنے کی خواہش) مکمل نہ ہو۔ (جاری ہے)

نوٹ:

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں کے ساتھ رحمت وشفقت، بچوں کو کھیلتے وقت منتشر نہ کرنا، بچوں کو جھاڑ جھپٹ کرنے سے بچنا، بچوں کو مختلف آداب کی تعلیم دینا، بچوں کے ماں باپ کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتیں، بیٹیوں اور یتیموں کی بالخصوص نگہداشت، بچوں پر سختی کی کہاں تک گنجائش ہے؟ بچوں کو بددعا دینے کا حکم؟ بچوں کو گفٹ دینا۔ یہ اور اس طرح کے دیگر منفرد اور دلچسپ تربیتی عناویں آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں.

عیدین کی نماز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز عیدین عید گاہ میں ادا کیا کرتے تھے۔

آپ عید کے لیے غسل کرتے اور سب سے خوبصورت اور اچھا لباس زیب تن کرتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک حلہ تھا جو عیدین اور جمعہ والے دن پہنا کرتے تھے . (حلہ ایک ہی جنس کے دو کپڑوں کو کہتے ہیں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کی نماز کے لیے جانے سے قبل طاق کھجوریں تناول فرمایا کرتے تھے .

امام بخاری رحمہ اللہ تعالی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے بیان کیا ہے کہ :
”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر والے دن نکلنے سے قبل کھجوریں کھا کر نکلتے، اور کھجوریں طاق کھاتے “ ۔[1]

عید الفطر کی نماز سے قبل کھانے میں حکمت یہ ہے کہ کوئی گمان کرنے والا شخص یہ گمان نہ کرے کی نماز عید ادا کرنے تک روزہ رکھنا لازم ہے .

اگر کسی مسلمان شخص کو کھجور نہ ملے تو وہ کسی اور چیز کو کھا کر ہی ناشتہ کر لے چاہے پانی پی لے، تا کہ سنت پر عمل ہو سکے، کیونکہ سنت یہ ہے کہ عید الفطر ادا کرنے سے قبل کچھ کھایا جائے . لیکن عید الاضحی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ سے واپس پلٹنے تک کچھ نہیں کھاتے تھے، اور عید گاہ سے واپس آکر اپنی قربانی میں سے کچھ نہ کچھ کھاتے .

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید کے لیے پیدل جاتے اور پیدل ہی واپس تشریف لاتے .

ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالی نے ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا ہے کہ " :رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ پیدل جاتے اور پیدل ہی واپس پلٹے[2] "

---

[1] صحیح بخاری: 953

[2] سنن ابن ماجہ: 1295 (علامہ البانی رحمہ اللہ تعالی نے اسے صحیح ابن ماجہ میں حسن قرار دیا ہے)

عید گاہ پہنچنے کے بعد بغیر کسی اذان اور اقامت کے نماز شروع کر دیتے ۔ اور عید گاہ میں نمازِ عید سے قبل اور نہ ہی بعد میں کوئی رکعت ادا کرتے ۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ خطبہ عید سے قبل نماز عید کی ادائیگی کرتے اور دو رکعت نماز عید پڑھاتے جس کی پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ مسلسل سات تکبیریں کہتے، اور ہر تکبیر کے مابین تھوڑی دیر کا سکتہ کرتے، تکبیروں کے مابین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی دعاء وغیرہ منقول نہیں ۔

سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کرتے اور اس کے بعد ق والقرآن المجید پہلی رکعت میں اور دوسری میں ھل اتاک الغاشیۃ کی تلاوت فرماتے۔

اور جب قرآت سے فارغ ہوتے تو تکبیر کہہ کر رکوع کرتے، اور رکعت مکمل کرنے اور سجدہ کرنے کے بعد کھڑے ہوتے تو مسلسل پانچ تکبیریں کہتے، جب تکبیریں کہہ کر فارغ ہوتے تو قرآت کرتے، تو اس طرح دونوں رکعتوں کی ابتدا تکبیروں سے کرتے، اور قرآت رکوع سے قبل ہوتی ۔

سنن ترمذی میں ہے کہ :رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قراءت سے قبل کہیں ۔

عید والے دن رسول کریم صلی اللہ علیہ عید گاہ جانے اور واپس آنے میں راستہ بدلتے تھے، ایک راستے سے جاتے تو دوسرے راستے سے واپس پلٹتے ۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالی نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا ہے کہ :" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید والے دن راستے کو بدلتے تھے[1] " واللہ اعلم

---

[1] صحیح بخاری حدیث نمبر: 986

www.islamfort.com

الیکٹرانک میڈیا کی فیلڈ میں ایک منفرد ویب سائٹ

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی کے تحت، فاضلین مدینہ یونیورسٹی کی زیرِ سرپرستی علمی، تحقیقی ونایاب اسلامی کتب اور معتبر علماء کرام کے تحقیقی، تربیتی واصلاحی خطبات ودروس سے مزین ایک منفرد ویب سائٹ

خصوصیات:

الحمدللہ یومیہ استفادہ کرنے والوں کی تعداد تین ہزار 3,000 سے تجاوز کرگئی ہے

- اسلامک کتب لائبریری
- اسلامک آڈیو لائبریری
- آن لائن فتویٰ کی سہولت
- مسجد نبوی اور مسجد الحرام کے حالیہ وسابقہ خطبات کے اردو تراجم
- آن لائن تحقیقی وتربیتی دروس
- اب آپ سہ ماہی ''البیان'' کا آن لائن مطالعہ ہماری ویب سائٹ پر بھی کرسکتے ہیں

منصوبہ جات:

- سرچ ایبل PDF کتب کی سہولت
- آن لائن فہمِ دین اور عربی لینگویج کورسز کا آغاز
- اسلامک ویڈیو لائبریری کا آغاز
- پاکستان بھر کے معتبر اہلِ علم کے جدید وقدیم فتاویٰ پر مشتمل جامع انسائیکلوپیڈیا

اپنی رائے اور مفید مشوروں سے ضرور آگاہ کیجیے:

info@islamfort.com

hchawla@islamfort.com